شعروادب

اے مسلماں! ملتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر

• ....علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمعِ طور • ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور
اور دیا تہذیبِ حاضر کا فروزاں کر گئی • بجھ کے بزمِ ملتِ بیضا پریشاں کر گئی

قبر اس تہذیب کی یہ سرزمینِ پاک ہے
جس سے تاکِ گلشنِ یورپ کی رگ نمناک ہے

مہدیٔ امت کی سطوت کا نشانِ پائیدار • خطۂ قسطنطنیہ ، یعنی قیصر کا دیار
آستانِ مسند آرائے شہِ لَـــــولَاک ہے • صورتِ خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے
تربتِ ایوب انصاریؓ سے آتی ہے صدا • نکہتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا

اے مسلماں! ملتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر
سیکڑوں صدیوں کی کشت وخوں کا حاصل ہے یہ شہر

دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر کے سوا • وہ زمیں ہے تو ، مگر اے خوابگاہِ مصطفیٰؐ
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں • خاتم ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں
جس کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی • تجھ میں راحت اس شہنشاہِ معظم کو ملی
جانشیں قیصر کے، وارث مسندِ جم کے ہوئے • نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے
ہند ہی بنیاد ہے اس کی، نہ فارس ہے نہ شام • ہے اگر قومیتِ اسلام پابندِ مقام
نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو • آہ یثرب! دیس ہے مسلم کا تو ماویٰ ہے تُو

جب تلک باقی ہے تو دنیا میں ، باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہرِ شبنم بھی ہیں

☆☆☆☆☆

اداریہ

حجاج کی ادائے عاشقانہ کا پس منظر

● ....شمس الحق ندوی

رمضان المبارک، اعتکاف، شب قدر اور صدقۂ فطر کے قیمتی لمحات وگھڑیاں گزارنے کے بعد اب ہر صاحب استطاعت کو حکم ہو رہا ہے کہ ہماری تجلی گاہ کعبۂ مکرمہ کی زیارت کو نکلو، اور خلیل اللہ وذبیح اللہ کی ادائے عاشقانہ کی یاد تازہ کر کے دل کی سرد انگیٹھی کو گرماؤ اور خلیل اللہ وذبیح اللہ کی نقل میں قربانی کے جانوروں کو ذبح کر کے خون کے دھارے بہاؤ۔ تصور میں لائیے ایک سنسان وادی اور جھلسی ہوئی پہاڑیوں کو، جہاں نہ آدم نہ آدم زاد، اس ویرانہ کی چلچلاتی دھوپ اور کھانے پانی سے خالی تپتی ہوئی وادی میں ممتا کی ماری ایک ماں اور شیر خوار بچے کو! کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس ماں کے دل پر کیا گزری ہوگی، دیوار کعبہ کے قریب شیر خوار بچہ پیاس سے ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور ماں تڑپ تڑپ کر کبھی صفا پر چڑھ کر دیکھتی کہ شاید کوئی قافلہ نظر آجائے اور پانی ملے، پھر دوڑی دوڑی مروہ پر چڑھتی کہ شاید ادھر کوئی قافلہ گزرتا ہوا دکھائی دے، دونوں طرف سے آس ٹوٹتی ہے، بھاگی بھاگی بچے کو دیکھنے آتی ہے کہ کس حال میں ہے، اس معصوم کو دیکھ کر پھر بے قراری کے عالم میں صفا ومروہ کے چکر لگاتی ہے، چھ چکر ہو چکے اور امید کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی، بچہ ہے کہ جاں بلب ہو رہا ہے، ساتویں چکر کے بعد بچے کے پاس پہنچتی ہے تو دیکھتی ہے کہ اس کی ایڑیوں کی رگڑ سے رب کریم نے پانی کا چشمہ جاری فرما دیا ہے، جو زم زم کے نام سے مشہور اور اس وقت سے اب تک اس طرح جاری ہے کہ سارے عالم کے مسلمان بھر بھر کر لے جا رہے ہیں اور پانی کم نہیں ہوتا، چشمہ جاری ہوا تو قافلے بھی آ آ کر آباد ہونے لگے اور یہ ویرانہ جہاں وحشت کو بھی قدم رکھتے وحشت ہو، آبادی میں تبدیل ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو اپنے رب کے حکم سے بیوی اور بچے کو اس ویرانہ میں چھوڑ کر چلے گئے تھے، جب کافی عرصہ کے بعد واپس آتے ہیں تو اسی بچہ کو جو اب جوانی کی عمر کو پہنچ رہا تھا اللہ کے نام پر قربان کر دینے کا حکم ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام جس طرح اپنے رب کے حکم سے بیوی بچے کو چھوڑ کر چلے گئے تھے، اب اپنے اسی رب کے حکم سے اس کی گردن پر بے تکلف چھری چلا دیتے ہیں، لیکن رب کریم کو آب وخاک سے بنے ہوئے اپنے بندہ کی یہ ادائے عاشقانہ ایسی پسند آتی ہے کہ بیٹے کی جگہ جنت کا دنبہ ہوتا ہے، چھری چلتی ہے تو جگر گوشہ کی نہیں دنبہ کی گردن کٹتی ہے اور رب کریم فرماتا ہے: ''ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیمؑ! تم نے خواب کو سچا کر دکھایا، ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں، بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیمؑ کا (ذکر خیر باقی) چھوڑ دیا''۔ [سورہ الصفٰت] زمین وآسمان نے عشق ومحبت اور رب کے حکم پر اس سرشاری کا منظر کب دیکھا ہوگا؟ انھی باپ بیٹے نے کعبہ کی تعمیر کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ملا کہ: ''اور لوگوں میں حج کے لیے ندا کر دو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے اونٹوں پر جو دور (دراز) رستوں سے چلے آتے ہوں (سوار ہو کر) چلے آئیں''۔ [حج]

وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ دنیا کے گوشہ گوشہ سے بڑی تعداد میں مسلمان رخت سفر باندھ کر اس ادائے عاشقانہ کی یاد تازہ کرتے اور اپنے دلوں کی ویران بستی کو عشق ومحبت میں ڈوب کر آباد کرتے ہیں، آنسوؤں سے اس کو غسل دیتے ہیں اور اس طرح پاک وصاف ہو کر لوٹتے ہیں، جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں۔ ایک زمانہ سے دنیا یہ دیکھ رہی ہے کہ آب وخاک سے بنی ہوئی ایک چوکور عمارت کی طرف جو در معشوق نہیں بلکہ جلوہ گاہ معشوق ہے، مخلوق کس طرح ٹوٹی پڑتی ہے، محبوب وعزیز ترین چیزوں کو چھوڑ کر حتی کہ مال واولاد، گھر بار سب کچھ چھوڑ کر، تج کر، پیدل وسواریوں پر، ہواؤں میں اڑ اڑ کر، سمندروں کے سینوں کو چیر چیر کر، بڑے والہانہ اور فریفتگی کے عالم میں ایک دو کی نہیں، سو پچاس اور ہزار کی بھی نہیں بلکہ کئی لاکھ کی تعداد میں روانہ ہو جاتی ہے مرد بھی، عورتیں بھی، بوڑھے بھی جوان بھی، امیر بھی غریب بھی، شاہ بھی گدا بھی، کیسا دیدنی منظر ہوتا ہے۔ جیسے جیسے وہ دیار حبیب کے قریب ہوتے جاتے ہیں ان کی ایک ایک ادا نرالا اور انوکھا روپ اختیار کرتی جاتی ہے، حتی کہ صرف ایک چادر ولنگی میں ملبوس ہو کر محبوب کی بارگاہ میں حاضری کا جو آخری منظر کفن پوشی کا ہوتا ہے وہ منظر پیش کرتے ہیں اور بہ زبان حال یہ عرض کرتے ہیں ؎

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

اسی حالت میں مستانہ وار "لبیك اللّٰھم لبیك لا شریك لك لبیك" (میں حاضر ہوں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں) کا نعرہ لگاتے ہوئے روتے اور آنسوؤں سے دامن تر کرتے ہوئے نالہ وفریاد کرتے ہوئے دربار عالی میں حاضر ہوتے ہیں۔

محبوب حقیقی مسرور وخوش ہوکر فرشتوں سے فرمارہا ہے: "میرے گھر کے مشتاقوں کو دیکھو، میری طرف بکھرے ہوئے بالوں اور غبار آلود جسموں کے ساتھ اس حال میں آئے ہوئے ہیں کہ ع

جگر میں ٹیس ، دل میں درد ، لب پہ آہ و نالے ہیں

یہ ہر طرف سے کھنچ کھنچا کر آ جمع ہوئے ہیں گلی کوچوں میں، سڑکوں پر، بازاروں میں، خیموں میں، محلوں میں بس جہاں دیکھو وہی ہیں، رات ہو کہ دن ہو، جب دیکھو اپنے رب کی تجلی گاہ خانہ کعبہ کے گرد چکر لگا رہے ہیں، دوڑ دوڑ کر حجر اسود کو چومتے جارہے ہیں، غلاف کعبہ ہاتھ میں آ گیا تو لپٹ لپٹ کر رو رہے ہیں جیسے دامن یار ہاتھ میں آ گیا ہو، چھوڑنے کا جی نہیں چاہتا۔

یہ سب ہو ہی رہا تھا کہ معشوق ازلی کا اشارہ پا کر اپنی مجنونانہ شان کے ساتھ نکلے اور بھاگے بھاگے عرفہ پہنچے، ابھی دل بھر کر دعا بھی نہ کرنے پائے تھے کہ معشوق نے کسی اور سمت کو ڈھکیلنا اور کھینچنا شروع کیا، عاشق کی سب سے بہترین ادا اور عشق کا مظہر نماز جس کو محبوب سب سے زیادہ پسند کرتا ہے اس کو آج ایک وقت میں دو ملا کر پڑھیں گے، ظہر وعصر ساتھ ادا ہوں گی اور رخت سفر باندھ لیا جائے گا، عین سفر کی حالت میں رات کی تاریکی آ گھیرے گی، سورج اپنی کرنوں کو سمیٹ کر نماز مغرب کا اعلان کر چکا ہوگا مگر نماز کیوں کر ادا کریں جب کہ منزل پر پہنچنے سے قبل کہیں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے، مغرب عشاء دونوں ساتھ میں ادا ہوں گی جب رات کی سیاہی پوری طرح چھا چکی ہوگی، عشاق کے یہ قافلے اپنی منزل پر پہنچیں گے اور محبوب کی یاد میں آنکھوں آنکھوں میں رات کاٹیں گے۔ جس کے دل میں کچھ چوٹ ہو، کوئی زخم لگا ہو، دیوانگی سے کبھی سابقہ پڑا ہو وہی اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے اور اس کا مزہ لے سکتا ہے۔

دیکھئے منیٰ میں غصہ سے بھرے ہوئے عاشق ومعشوق کے درمیان حائل ہونے والے، بہکانے اور وسوسہ ڈالنے والے شیطان کو کس طرح کنکریاں ماری جارہی ہیں، اس کو ذلیل ورسوا کیا جارہا ہے، تیری مجال کہ تو عشق کی بھڑکتی ہوئی آگ کو اپنے مکر وفریب سے بجھا سکے، مستی کا عالم طاری ہے معشوق کا ڈر نہ ہوتا، اس کے ناراض ہونے، حکم کی خلاف ورزی کا خطرہ نہ ہوتا تو کتنے اپنی جان تک کو قربان کر دیتے، اس مدہوشی کے عالم میں بھی اتنا ہوش ہے کہ ان کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جذبہ بے تابی کو تسکین دینے کی خاطر اتنی اجازت مل گئی کہ اگر تم جاں نثاری کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہو تو میرے نام پر جانوروں کی گردنوں پر چھری چلاؤ، آن کی آن میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں زمین پر پڑے ہوئے جانور نظر آرہے ہیں، خون کی نہریں جاری ہیں، گردنوں پر چھریاں پھیری جارہی ہیں، کوئی کہہ سکتا ہے کہ چشم فلک نے عشق ومحبت کی ایسی ادا کہیں اور دیکھی ہے، تاریخ نے کوئی ایسا واقعہ ریکارڈ کیا ہے؟ میلے اور بھیڑ بھاڑ کے مناظر تو شاید نظر آئیں گے، مگر یہ ادائے عاشقانہ کہاں کسی نے دیکھی ہوگی اور یہ سب کچھ یوں ہی نہیں ہو رہا ہے، کوئی ضرور جلوہ گر ہے، ہو نہ ہو کسی کی ادائے دلبرانہ کارفرما ہے۔

حج کی ان اداؤں سے فارغ ہوں گے تو نبی امی محسن انسانیت کے در دولت پر حاضری کے لیے مدینہ منورہ روانہ ہوں گے،، جس نے عشق کی یہ آگ لگائی ہے بھانت بھانت کے لوگ ہوں گے، کالے گورے عربی، عجمی سبھی ہوں گے، درود وسلام سے فضا گونج اٹھے گی۔

ادب سے سلام ہوگا، ہونٹوں میں حرکت اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے عشق ومستی کا عجیب عالم ہوگا، بہ زبان حال کہہ رہے ہوں گے ؎

یہ دل کی جلن آنکھوں کی نمی صدقہ میں تمہارے ہم کو ملی
کیا نعمت عظمیٰ ہاتھ لگی سرکار دوعالم صلّ علیٰ

یہ ہیں حاجیوں کی وہ ادائیں جن کو سن کر اور پڑھ کر حج کا شوق ہوتا ہے اور ہر بندۂ مومن اس کے اشتیاق میں بہ زبان حال کہہ دیتا ہے ؎

دل کو یہ آرزو ہے صبا کوئے یار میں
ہمراہ تیرے پہنچے اُڑ کر غبار میں

☆☆☆☆

دعوت فکروعمل

حالات کا جائزہ اور ولولہ خیز پیغام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

یہ دین جو ہم تک پہونچا ہے، اور جس دولت کے ہم آپ امین اور (محافظ کا لفظ تو بڑا ہے) اس دولت کے حامل ہیں، وہ دین ہمیں دانشوروں، سماجی خدمت گاروں، اصلاحی کام کرنے والوں (Reformers) یا بانیانِ سلطنت کے ذریعہ نہیں پہونچا، یہ سارے گروہ قابل احترام ہیں، لیکن کسی دین میں اور کسی تہذیب، نظام، فکری دبستان (School of Thought) اور خاص مطالعہ، غور وفکر اور تجربہ کے نتائج میں ایک حدِّ فاصل، سرحدی لکیر (Line of Demarcation) ہوتی ہے، جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتی ہے، اس خط کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، حدّ فاصل یہ ہے کہ آسمانی مذاہب (ادیان) ان برگزیدہ افراد کے ذریعہ پہونچے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا، اور جن پر وحی آتی تھی، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلط مبحث (Confusion) ہوتا ہے، زیادہ تر لوگ نادانستہ طریقہ پر ان مذاہب سے توقع اور بعض اوقات آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں، جن کی ان مذاہب میں گنجائش اور ان کا کوئی جواز نہیں، وہ بعض اوقات ان کی تشریح کا فرض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، اپنی وسعت مطالعہ اور وسعت نظر کے اظہار کے لیے وہ مذاہب کی ترجمانی ایسی کرنے لگتے ہیں جیسے کہ یہ نرے فلسفے یا انسانوں کے بنائے ہوئے تہذیب وتمدن کے نظام اور سماجی تجربے اور معاشرتی نظریات ہیں، یہ ہے وہ غلطی جو نادانستہ طریقہ پر بعض بڑے ذمہ دار اور سنجیدہ لوگوں سے ہوتی ہے، وہ یہ نہیں جانتے کہ دین اور غیر دین میں حدّ فاصل اور امتیازی نشان کیا ہے؟ فلسفہ، سماجیات (Social Sciences) کا علم تہذیب و تمدن (Civilization) سوسائٹی اور انسانی معاشرہ یہ سب اپنی جگہ حقائق ہیں، ہم ان کا انکار نہیں کرتے، ان کا احترام کرتے ہیں، اور اپنے ذمہ ان کے حقوق سمجھتے ہیں، خود مسلم ملت ایک معاشرہ، تہذیب وتمدن اور فکر ودانش کا ایک مستقل مدرسہ (School of Thought) بھی ہے، لیکن اس کی جو اصل حقیقت ہے، وہ یہ ہے کہ وہ ایک ''دین'' ہے اور اس دین کو دنیا میں پیش کرنے والے، اور اس کو بروئے کار لانے والے، اس کو ہماری زندگی میں داخل کرنے والے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہیں، اور یہ ان کی زبان اور ان کا طرز فکر نہیں، اس کا بنیادی چشمہ ان کے دماغ میں نہیں تھا، بلکہ ان سے باہر اور ان سے بلند تھا، اور وہ ان کے لیے اسی درجہ قابل احترام اور قابل اطاعت تھا، جیسے ہمارے آپ کے لیے اور سارے امتیوں کے لیے۔

''وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوٰی، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی'' [سورۃ النجم:۳،۴] (اور وہ خواہش نفس سے منھ سے بات نہیں نکالتے ہیں، یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے (اور ان کی طرف بھیجا جاتا ہے)۔

''وَمَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَاالْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ'' [سورۃ الشوریٰ:۵۲] (آپ نہیں جانتے تھے کہ لکھنا پڑھنا کیا ہوتا ہے، ہم نے اس کو ایک نور کی طرح آپ کے سینہ میں اتارا اور اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، ہدایت کرتے ہیں، اور بے شک (اے محمدؐ) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو)۔

وحی ونبوت کا فرق اساسی فرق ہے، ہمیں غیر مسلم بھائیوں اور غیر مسلم فضلاء سے زیادہ شکوہ نہیں کہ وہ وحی ونبوت کے عہد سے اتنے دور ہوچکے ہیں کہ ان کے مفہوم سے بھی بہت سے حضرات ناآشنا ہیں، بعثت محمدی سے پہلے خود عربوں کا یہی حال تھا، اس میں نہ کسی ذہانت کا انکار ہے، اور نہ کسی کی نیت پر حملہ ہے، ایک تاریخی یا نفسیاتی تجزیہ ہے کہ جو شخص نبوت اور وحی کی حقیقت سے واقف نہیں، اور یہ نہیں جانتا کہ اس کا کیا مرتبہ اور حق ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ کس چیز کی متقاضی ہے، وہ مسلمانوں کے بارے میں مشورہ دینے یا فیصلہ کرنے کا اخلاقی یا قانونی طور پر مجاز نہیں۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ دین اسلام کے دائرہ کو سمجھ لیا جائے، اس بارے میں مذاہب میں خود اختلاف ہے، اور اس میں درجوں کا فرق ہے، کئی مذاہب ایسے ہیں کہ وحی ونبوت سے ان کا آغاز ہونے کے باوجود انھوں نے مذہبی زندگی کو ایک خاص دائرہ میں محدود کرلیا ہے، مثلاً عبادات

کے دائرہ میں، لیکن اسلام کا معاملہ یہ نہیں ہے، اسلام میں دین کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہے، یہ ایک اساسی حقیقت ہے جو عبد و معبود کے تعلق کو سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی، ہر مسلمان خدا کا فرماں بردار بندہ ہے اور اس کا تعلق خدا سے دائمی ہے، عمومی ہے، عمیق بھی ہے، اور وسیع بھی ہے، محدود بھی ہے، جامع بھی، قرآن شریف میں ہے:

”یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ص وَلَاتَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ“ [سورۃ البقرہ:۲۰۸] (اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ، اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے)۔

میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان اگر مسلم پرسنل لا (شرعی، عائلی قانون) میں تبدیلی قبول کرلیں گے، تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے، اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ نفسیات، اور فلسفۂ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت وتہذیب سے الگ نہیں کیا جاسکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی، اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر و محفوظ نہیں رہ سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں، (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے، اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اپنے عائلی وخاندانی روابط و تعلقات میں مسلمان نہیں، حقوق کی ادائیگی اور ترکہ کی تقسیم میں مسلمان نہیں، اس لیے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوتِ ارتداد سمجھتے ہیں، اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے، جیسے دعوت ارتداد کا مقابلہ کرنا چاہئے، اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے، اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقا اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی اور ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون واطمینان میں مضمر ہے۔

۲۲ نومبر ۱۹۸۶ء کو وارانسی کی صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس میں جو خطبہ پڑھا گیا تھا، اس کا ایک اقتباس مسلم پرسنل لا سے تعلق رکھتا ہے، میں نے عرض کیا تھا کہ:

”آپ ایسے ملک میں ہیں جس میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، وہ جمہوری ملک ہے، اور وہاں قانون ساز مجلسیں قانون بناتی ہیں، جب یہ ملک جمہوری ہے تو پارلیمنٹ ہی قانون بنائے گی، اور جمہوریت کا یہ قاعدہ ہے کہ اکثریت کی رائے اور تائید سے قانون بنتا ہے، اس لیے ہر وقت اس کا خطرہ ہے کہ ایسے قوانین بنیں جو ہمارے بنیادی عقائد، مسلّمات، ہمارے جذبات اور ہماری ضرورتوں کے خلاف (بدنیتی سے کم اور ناواقفیت سے زیادہ) بنیں، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ وہاں مذہبی، تہذیبی، اور لسانی بنیادوں پر جارحانہ احیائیت (Aggressive Revivalism) اور کلّیت پسندی (Totalitarianism) کی تحریکیں بھی زور شور سے چل رہی ہیں، اب آپ کا کام یہ ہے کہ ایسے سیکولر اور جمہوری ملک میں اپنے ملّی تشخص کی حفاظت آئینی طریقہ پر کریں، آپ ہندوستان کے وفادار، مفید، کارآمد اور اس کے ضروری جزو ہونے کی حیثیت سے اپنی افادیت و اہمیت ثابت کریں، اور مطالبہ کریں کہ کوئی قانون ہماری شریعت، آسمانی کتاب، اور ہمارے عقائد کے خلاف نہیں بننا چاہیے، آپ اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت کریں کہ خلاف شریعت قانون بننے سے آپ کو اس سے زیادہ اذیت ہوتی ہے، اور آپ کا ملّی وجود اس سے زیادہ خطرہ میں پڑجاتا ہے، جتنا کھانا روکنے سے، کوئی جمہوری حکومت، کسی اقلیت اور کسی فرقہ کی غذائی ضرورتوں کو نہیں روک سکتی، کوئی حکومت چاہے کتنی ہی طاقتور ہو، یہ قانون نہیں بناسکتی کہ فلاں فرقہ کو غلہ کی فراہمی روک دی جائے، یا بازار میں اس کو دکان کھولنے کی اجازت نہ دی جائے، یا اس کے بچوں پر تعلیم اور تعلیم گاہوں کے دروازے بند کردیئے جائیں، ایسا اگر ہونے لگے تو آپ قیامت برپا کرسکتے ہیں، آپ ثابت کردیں کہ اس قانون اور اس نئے نظام تعلیم سے آپ کو ایسی گھٹن ہورہی ہے، جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر باہر رکھنے سے ہوتی ہے، آپ کے چہروں کے اتار چڑھاؤ، حرکات و سکنات سے معلوم ہوجائے کہ آپ کی صحت اور توانائی اور کارکردگی پر اثر پڑرہا ہے، اور یہ محسوس کرلیا جائے کہ یہ ایک مغموم قوم کے افراد ہیں، اس نئے قانون سے ان کا دم گھٹ رہا ہے، اور یہ ان کی آئندہ نسل کے قتل کے مرادف ہے، یہ کام آپ کو خلوص کے ساتھ عملی طور پر ایسی کیفیات کے ساتھ کرنا ہوگا کہ ہر شخص اسٹیشنوں، پارکوں، اور بسوں میں آپ کی بے چینی کو محسوس کرے، اگر آدھا نہیں تو کم از کم اس کا چوتھائی حصہ ثابت

کرنا ہوگا، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک ہفتہ بھی ایسا قانون نہیں چل سکتا، میں نے دنیا کے آئینوں اور دستور حکومت کا مطالعہ کیا ہے، اور جمہوریتوں کی تاریخ پڑھی ہے، اس لیے میں یہ بات کہہ رہا ہوں''۔

آپ دیکھئے کہ آپ اسلامی وقرآنی قانون معاشرت کا خود کتنا احترام کرتے ہیں، اس پر خاندانی روایات کو اور رسم ورواج کو کتنی ترجیح دیتے ہیں؟ اس پر اس کا اضافہ کیجیے جو آپ نے اپنے ہم وطنوں سے سیکھا ہے، جہیز کا بڑھا چڑھا مطالبہ ہم میں کہاں سے آیا؟ اس کو کسی نام سے یاد کیا جاتا ہو، یہ چیز کہا ں سے آئی؟ مکہ، مدینہ، حرمین شریفین سے آئی ہے؟ قرآن مجید کے راستہ سے آئی، یہ لعنت کہاں سے آئی؟ جب آپ اس کو قبول کرتے ہیں تو بطور سزا کے آپ کی غیرت ملیؔ کو، آپ کے وجود ملیؔ کو بار بار نشانہ بنایا جاتا ہے۔

میں ببانگ دہل اعلان کرتا ہوں کہ ہم لوگ (شرعی قانون میں قانون سازی کے ذریعہ مداخلت کی) جو شکایت کرتے ہیں، وہ شکایت بجا ہے، ہم شکایت کرتے رہیں گے اور شکایت کرنا ہمارا حق ہے، ایک جمہوری ملک میں جہاں قانون چلتا ہو، جہاں ہر شہری کو برابر کا حق دیا گیا ہو، وہاں ہر شہری کو اور شہریوں کی ہر تنظیم کو اور آبادی کے ہر عنصر کے نمائندوں کو یہ حق ہے کہ پارلیمنٹ (ایوان قانون ساز) میں اپنے قومی وعوامی جلسوں میں، اپنی مجلسوں میں اور اخباروں کے کالموں میں، وہ اس بات کی شکایت کریں کہ ہمارا فلاں حق نہیں مل رہا ہے، ہمارے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے، کوئی ملک جس کی جمہوریت پر بنیاد ہو، جو جمہوری ہو، اس کے بغیر نہیں چل سکتا، حقیقت پسند حکومتیں اس بات کا اہتمام کرتی ہیں کہ ان کے ایوان قانون ساز میں ایک حزب مخالف رہے، ایک اپوزیشن پارٹی ہو، تاکہ اس کے ذریعہ حکومت کو اپنی خامیاں معلوم ہوتی رہیں، اور اس کو ملک کی آبادی کو زیادہ مطمئن کرنے اور مطمئن رکھنے کا موقعہ ملتا رہے، اس لیے ہم اپنی حکومت سے شکایت کریں گے اور سو بار کریں گے، اور اس کو اس پر فخر کرنا چاہیے کہ ہمارے ملک میں شکایت کرنے کا حق ہے، یہ حق سلب نہیں کیا گیا ہے، ہمیں اپنی آواز بلند کرنے کا حق ہے، ہم اسی میں ملک کی فلاح سمجھتے ہیں، وہ ملک خطرہ میں ہے، جہاں زبان بندی کا قانون نافذ کیا جائے، جہاں کسی کو کراہنے اور آہ کرنے کی اجازت نہ ہو، اس لیے ہمارے اس ملک کا یہ افتخار، ہمارے اس ملک کی یہ خصوصیت باقی رہنی چاہیے، ہم ہمیشہ اپنے آئین ساز بھائیوں سے اور ارکان حکومت سے انتظامیہ (Administration) اور حکمراں جماعت سے شکایت کریں گے۔

لیکن جب ہم اہل حکومت اور برادران وطن سے شکایت کرتے ہیں تو ہمیں آپ سے شکایت کرنے کا حق کیو ں نہ ہو؟ ان سے تو شکایت کریں گے اور ان کا دامن پکڑیں گے، لیکن آپ کا گریبان پکڑ لیں گے، اور وہ ہاتھ ہمارا ہاتھ نہیں ہوگا، وہ دینی احتساب کا ہاتھ ہوگا، وہ شریعت کا ہاتھ ہوگا جو آپ کا گریبان پکڑے گا، اور کہے گا کہ پہلے تم اپنے گریبان میں منھ ڈال کر دیکھو کہ تم اس قانون پر کتنا چلتے ہو، تمہاری نگاہوں میں اس قانون کی کتنی حرمت ہے؟ تم جہاں اس قانون کو چلا سکتے ہو وہاں چلا رہے ہو کہ نہیں؟ تم تو اپنے گھروں میں اس قانون کو نہ چلاؤ اور حکومت سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہارے قانون کو چلائے، اس کا احترام کرے؟

یہ جہیز کی کیا مصیبت ہے؟ لڑکے والوں کی طرف سے مطالبات کی ایک لمبی چوڑی فہرست پیش ہوتی ہے، شرائط پیش کئے جاتے ہیں، ان کے پورا نہ ہونے پر یہ معصوم لڑکیاں جلادی جاتی ہیں، ملک میں سیکڑوں واقعات پیش آتے ہیں، صرف دہلی میں ہر بارہ گھنٹے پر ایک نئی بیاہی دلہن کو جلا کر مار ڈالا جاتا ہے، کیا اس کائنات کے خالق اور نوع انسانی کے مربی (جس کی مخلوق مرد وعورت دونوں ہیں) کو یہ چیز گوارہ ہوسکتی ہے؟ کیا اس ظلم کے ساتھ کوئی ملک، کوئی معاشرہ پنپ سکتا ہے، خدا کی رحمت ونصرت کا مستحق ہوسکتا ہے؟ آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی ہمت نہیں ہونی چاہئے تھی، میں نے دہلی کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ“.

[سورۃ الانفال:۳۳] (اور خدا ایسا نہ تھا کہ جب تک تم ان میں تھے، انھیں عذاب دیتا، اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انھیں عذاب دے)۔

آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے ہندوستانی سماج میں، ہندوستان کے معاشرہ اور سوسائٹی میں یہ ظلم ہو، اس کو عقل قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، آپ کے ہوتے ہوئے بھی یہ نہیں ہونا چاہئے تھا، چہ جائیکہ آپ کے ہاتھوں ہو، عہد کیجئے کہ آپ اسلامی طریقہ پر شریفانہ انسانی طریقہ پر شادی کا پیام دیں گے، آپ لڑکی مانگیں گے، اپنے لیے رفیقۂ حیات کی تلاش کریں گے، بیٹے کے لیے پیام دیں گے،

جہیز کے لیے آپ کے بڑے چڑھے مطالبات نہیں ہوں گے، کہ ہمیں یہ ملنا چاہئے، وہ ملنا چاہیے، لڑکوں کو اوران کے وارثوں اور بزرگوں کو اس کا عہد کرنا چاہئے کہ ہم اپنے یہاں تو کیا ہم اس ملک سے اس رسم کو ختم کردیں گے۔

ایسا ہی ترکہ شرعی طریقہ پر تقسیم ہونا چاہیے، نکاح شرعی طریقہ پر ہونا چاہیے، اورعورتوں کی، بیویوں کی تعداد وہی ہونی چاہیے، جو شریعت میں بیان کی گئی ہے، طلاق کا مسنون طریقہ معلوم کرنا چاہیے، مسنون اور افضل طریقہ کیا ہے؟ پھر اس کے بعد فقہی طلاق جس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس کو سمجھنا چاہیے کہ طلاق رجعی کیا ہوتی ہے؟ طلاق بائن ومغلظہ کیا ہوتی ہے؟ پھر اس میں طلاق کو آپ یہ سمجھیں کہ طلاق ابغض المباحات ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جائز ہے، لیکن آخری درجہ کی چیز ہے، بڑی مجبوری کی چیز ہے، جو اپنے کو حرام چیزوں سے اور زندگی کو تلخ بننے سے بچانے کے لیے بہت مجبوری سے دل پر پتھر رکھ کر اختیار کی جاتی ہے، یہ نہیں کہ طلاق ایک فیشن ہوگیا ہے، جو لوگ مسلمانوں کو یہ طعنہ دیتے ہیں، اس میں تھوڑی سی ہماری کوتاہی کو بھی دخل ہے، جتنا طعنہ دیتے ہیں، اتنے کے مستحق تو ہم ہرگز نہیں ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ یورپ میں کیا ہوتا ہے؟ وہاں کا معاشرہ کس طرح برباد ہورہا ہے، وہاں ساری عمر ناجائز طریقہ پر جنسی تعلق قائم رکھنا جائز ہے، کوئی اس کو نہیں ٹوکتا لیکن طلاق دینا معیوب ہے، اور اس میں ہزار دقتیں ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ ہم اپنے قانون سے ہرگز شرمندہ نہیں، ہم اس کے ایک ایک نقطہ کی ذمہ داری لینے کے لیے تیار ہیں۔

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆عمدہ کاغذ ☆بہترین طباعت ☆خوبصورت سرورق

نمبرشمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	70/=
۲	روداد چمن	200/=
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/=
۴	تمرین الصرف	55/=
۵	رسالۃ التوحید	60/=
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	165/=
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	165/=
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/=
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/=
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/=
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	15/=
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	18/=
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/=
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/=
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاهلی)	70/=
۱۶	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلویؒ	50/=
۱۷	اسلام کی تعلیم	16/=
۱۸	تفہیم المنطق	150/=
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	20/=
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/=
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/=
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	55/=
۲۳	اصول الشاشی	60/=
۲۴	علم اصول الفقہ	100/=
۲۵	حیات عبدالباریؒ	150/=
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	170/=
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/=

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنو	9936635816
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ طوبیٰ، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9005505629

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

عالم اسلام

ترکی اور اسلامی بیداری

● ....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مخدوم و مربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کا یہ مضمون آج سے ۲۲ رسال قبل اس وقت بطور اداریہ 'تعمیر حیات' میں شائع ہوا تھا جب میر کارواں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعزاز میں عالمی رابطہ ادب اسلامی نے ایک حفلہ تکریم شہر آرز و استنبول میں منعقد کیا تھا، اس وقت ترکی کے حالات اور آثار وقرائن دیکھ کر ایک مومن کے قلم سے جو تاثرات سامنے آئے، ان کو دیکھ کر جس طرح کی پیشین گوئی کی جاسکتی تھی، وہ بڑی حد تک پوری ہو رہی ہے، اس وقت نجم الدین اربکان سربراہِ حکومت تھے۔

آج چوتھائی صدی کے بعد ان ہی کے تیار کردہ شاگرد رشید رجب طیب اردغان پوری قوت اور بڑے اعتماد کے ساتھ صاف شفاف جمہوری طریقوں سے برسراقتدار آئے ہیں، مغربی استعمار کے دانشوروں کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا، اسلام دشمن طاقتیں ہمیشہ اسلام کو ملیا میٹ کرنے کے لیے مکروفریب اور حیلہ وسازش سے کام لیا کرتی ہیں، ایسی مکاری کہ قرآن مجید کی تعبیر میں پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جائے، لیکن جسے خدا رکھے اسے کون......؟

ہم حضرت والا کی اجازت سے پھر وہی اداریہ قارئین کی خدمت میں قند مکرر کے طور پر پیش کر رہے ہیں، اس تسلیم شدہ حقیقت پر ایمان رکھتے ہوئے کہ ع

خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

کہا جاتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، تو کیا عالم عربی بھی ترکی کی طرح خون صد ہزار انجم کے راستے پر چل کر منزل مقصود تک پہونچنے کا انتظار کر رہا ہے؟ مغربی استعمار کے بٹھائے ہوئے سارے مہرے ایک ایک کر کے بری طرح پٹ چکے ہیں، سپر پاور کا لایا ہوا اپنا مہرہ بھی اسی انجام سے دوچار ہو کر رہے گا: وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ. [ادارہ]

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

یہ شعر اسلامی حمیت سے بھرپور دل رکھنے والے شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال نے اس وقت کہا تھا جب مسیحی یورپ کے ملکوں کی ریشہ دوانیوں اور اسلام دشمنوں کے اثر سے حرمین شریفین کا علاقہ اپنے ترک محافظوں کے ہاتھوں سے نکلنے جا رہا تھا جب کہ کئی صدیوں سے وہ ترکوں کی پرشکوہ سلطنت کے زیر حفاظت تھا۔

ایک طرف یورپ کے ممالک صلیبی جنگوں کا انتقام ترکوں سے خاص طور پر اور عرب مسلمانوں سے عام طور پر لینا چاہتے تھے اور اس کے لیے براہِ راست تدبیر اختیار کرنے کے بجائے آپس کے ملکوں میں تفرقہ پیدا کر کے اور نسلی ولسانی عصبیتیں ابھار کر یہ مسلمانوں کی متحدہ طاقت کو پارہ پارہ کر دینا چاہتے تھے۔

یورپ کے پاس اس کا سب سے بڑا ذریعہ مسلمان ملکوں کی علمی میدان میں پسماندگی اور اقتصادی میدان میں بدحالی تھی، جس سے فائدہ اٹھا کر یورپ اور خاص طور پر برطانیہ نے اپنے استعماری منصوبہ کے تحت مسلمان ملکوں میں اپنے اثرات بڑھانے اور وہیں کی آبادی سے اپنے مطلب کے آدمی چننے اور ان کے ذریعہ تباہ کن تبدیلی لانے کی کوشش کی۔

یورپ کے ریشہ دوانیوں سے بالآخر ترکی میں پھر عالم اسلام میں، اسلام سے بے اعتنائی بلکہ مخاصمت کی فضا بنی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ اسلام کا اب چل چلاؤ ہے اور مسلمانوں کی یہ ملت جس نے دنیا میں واحد سب سے بڑی طاقت اور شاندار تمدنی وعلمی قیادت کی حامل امت کی شکل میں چھ سات صدیاں گذاری ہیں، اب صرف ایک پس ماندہ اور زوال گرفتہ قوم بن کر رہ جائے گی اور یورپین اقوام کے سامنے اس کو صرف خادمانہ اور تابعدارانہ کردار ادا کرنا ہوگا، اور دنیاوی طور پر مفلوک الحال اور کاسہ گدائی کرنے والی قوم کی حیثیت سے رہنا ہوگا، یہ ایک دردناک احساس تھا جس نے غیرت مند مسلمان مفکرین کو بے تاب بنایا جس کی غمازی حسب ذیل شعر کرتا ہے

مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریض سخت جاں کب تک

ترکی کا مریض سخت جان بلب ہو چکا تھا اور آثار اچھے نہ تھے لیکن خدا کی قدرت وحکمت

کے سامنے سب ہیچ ہے، وہ مردہ کو زندہ کرسکتا ہے، چنانچہ حالات نے کروٹ لینا شروع کی اور ترکی کا قریب المرگ مریض صحت کی طرف مائل ہوتا نظر آنے لگا۔

ترکی جہاں مصطفیٰ کمال کی کوششوں سے اسلامی تشخص بالکل ختم کردیا گیا تھا، عربی زبان اور اسلامی ثقافت پر سخت پابندی لگادی گئی تھی اور کئی دہائیوں کی کوشش سے ترکی قوم کی اسلامی وضع واطوار ختم کردیے گئے تھے اور جہاں اذان عربی ختم اور نماز ودینداری ناپسندیدہ بنادی گئی، اب پھر اسلام سے تعلق اور اسلامی شعائر سے دلچسپی کا آغاز ہوگیا، اور اپنے کو مسلمان کہنے اور سمجھنے میں جھجک ختم ہوتی نظر آرہی ہے، حکومت کے عہدہ دار تک اسلام سے ربط ظاہر کرنے میں عیب محسوس نہیں کرتے، اسلام پسندوں کی تعداد اس حد تک پہونچ گئی کہ ان کے ووٹوں نے اسلام پسند قائد کے لیے حکومت کا سربراہ بننے کی راہ ہموار کردی اور اس طرح ترکی کا یہ مریض سخت جان پھر صحت و زندگی کی طرف لوٹتا ہوتا ہے۔

اگست ۱۹۹۶ء کے دوسرے ہفتہ میں استنبول میں رابطہ ادب اسلامی کی کانفرنس تھی، اس کانفرنس کو نہ صرف یہ کہ ترکی کے اس بین الاقوامی شہر میں منعقد کرنے کی گنجائش نکلی بلکہ شہر کے انتظامیہ نے تعاون کیا، اور صدر کانفرنس مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا علاحدہ سے اپنی سرکردگی میں کارپوریشن ہال میں باقاعدہ خطاب بھی رکھا جس میں ترکی کے دانشوروں کو مدعو کیا اور شایان شان طریقہ جلسے کا انعقاد کیا۔

ترکی کے نئے حالات میں فضا بدلی ہوئی ملی اور اس کا سابقہ ملحدانہ کردار ٹوٹتا نظر آیا جو آج سے قبل کے حالات میں چھایا ہوا نظر آتا رہا ہے۔

ترکی عالم اسلام کا دھڑکتا ہو دل رہا ہے، اس دھڑکتے ہوئے دل کو یورپ کی اسلام دشمنی وسیہ کاریوں نے مردہ بنانے کی کامیاب کوشش کی تھی لیکن اب حالات پلٹ رہے ہیں، عالم اسلام کے زوال وتباہی کا المیہ گذشتہ دوصدیوں سے شروع ہوگیا تھا لیکن موجودہ صدی کی دوسری دہائی سے بہت نمایاں اور سخت ہوگیا تھا۔

خاص طور پر جب دوسری دہائی کے اختتام پر اس کو دو شدید دھکے پہونچے تھے، ایک تو پورے ایشیاء پر روسی کمیونسٹ استبداد کا غلبہ اور دوسرے ترکی میں خلافت عثمانیہ کا الغاء، اور اسلام دشمن نظام کا اصرار، عالم اسلام کے یہ دونوں علاقے مسلمانوں کی طاقت اور وجاہت کے مرکز رہے تھے اور گذشتہ صدیوں میں ان کے ذریعہ دنیا میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، وسط ایشیا میں خاص طور پر سمرقند و بخارا مسلمانوں کی دمکتی ہوئی عظمت کا نشان رہے تھے، وہیں سے آکر مغل نسل کے مسلم قائدین برصغیر کے وسیع علاقوں کے حکمراں اور برصغیر میں مسلمانوں کی قوت وسطوت کے نگہبان تھے، اسی علاقہ کے مشہور تمدنی مرکزوں بخارا، سمرقند، تاشقند، فرغانہ وغیرہ سے جو اسلامی تہذیب و سطوت ابھری تھی، وہ دہلی حیدرآباد، لاہور اور برصغیر کے دیگر خطوں میں بھی نمایاں ہوئی اور برصغیر کی مسلم تہذیب بنی اور اس سے برصغیر کی مسلم تاریخ کو ایک مقام ملا جو ۱۸۵۷ء تک اسی طرح قائم رہی، بالآخر اس کی سیاسی عظمت کو برطانی استعمار نے براہِ راست فوجی کارروائیوں کے ذریعہ ختم کیا، اور اس کے ساٹھ سال بعد ۱۹۱۷ء اور ۱۹۲۳ء کے درمیان سمرقند و بخارا و ترکستانی علاقوں کی اسلامی سطوت وعزت کو اسی استبداد نے کچل ڈالا، پھر اسی مدت کے دوران برطانیہ کی استعماری ڈپلومیسی کے زیر سرکردگی ترکی کے آزاد روش قائد مصطفیٰ کمال نے خلافت عثمانیہ کو ختم کرتے ہوئے ترکی کی اسلامی اور عربی خصوصیت کو ختم کردیا، بالآخر موجودہ چینی ترکستان کے قیام کاشغر سے لے کر یورپ کے جنوب ومشرق میں اسلامی عظمت کے نشان قسطنطنیہ تک جوانمرد تاتار وترک مسلمانوں کا سارا علاقہ کفر و الحاد اور اسلام دشمنی کے دیو استبداد کے زیر اثر چلا گیا اور ترکی کے اسلامی وقار کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ عرب ممالک کا پورا علاقہ ترکوں کی سرپرستی وحفاظت سے محروم ہوگیا اور مسیحی یورپ کی ثقافتی ریشہ دوانیوں اور سیاسی سازشوں کا شکار بنایا اور اس میں نسل پرستانہ جاہلیت کے بیج بودیے، چنانچہ عرب علاقوں کا اتحاد عرب قومیت کے جھنڈے کے تحت مصری، شامی، جزائری، سوڈانی، عراقی، حجازی ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئے، دوسری طرف ترکستانی علاقوں میں کمیونسٹ پر اس نے تاتاری نسلوں کے الگ الگ گھروندے کم از کم چھ کی تعداد میں پہلے سے ہی بنادیے تھے اور ترکی میں تحریک نواز قائد نے تورانی قومیت کی صدائے بے لگام کا بول بالا قائم کردیا تھا، اس طرح دیکھتے دیکھتے مسیحی یورپ کا وہ صدیوں کا خواب پورا ہوگیا جو دنیائے اسلام میں پھیلی ہوئی امت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ دیکھنے پر مشتمل تھا، اور جس کے رو سے مسلمانوں کے ایک

بڑے طبقے کے ذہنوں سے اسلام سے مخلصانہ وفاداری کا چلن ختم ہوتا تھا، اس طرح ملت اسلامیہ کی وہ لڑائی جو مسلمانوں کی مختلف و متنوع نسلی ولسانی وحدتوں کو پروئے ہوئے تھی، ٹوٹ گئی، ایران کی طاقت کا بڑا مرکز خلافت عثمانیہ ختم ہوگیا، عرب تو پھر بھی عرب تھے لیکن تورانی وتاتاری مسلمانوں کے پاس ان کی اسلام سے وفاداری کا کوئی بڑا محرک باقی نہ رہا، وہاں کے حکمرانوں نے اپنے مغربی آقاؤں کے اشاروں سے پھر جو چاہا، کیا، ترکستانی علاقوں میں نسلی بنیاد پر تقسیم کردہ مسلم علاقوں کے مابین نسلی لڑائیاں ہوئیں، لسانی بنیاد پر انتشار وتفرقہ بڑھا، اسلامی شعار مٹائے گئے، مسجدیں میوزموں میں، تھیٹروں میں یا زراعتی گوداموں میں تبدیل کی گئیں، عربی اور دینی تعلیم کی معمولی کوششوں کو بھی سختی سے روکا گیا، عبادت ونماز میں وقت صرف کرنے کو اپنے محکموں کے کاموں میں رکاوٹ قرار دے کر روکا گیا۔

پھر مذہبی پابندی کے خلاف مہم چلانے کے لیے کمیٹیاں بنائی گئیں، جنھوں نے اتحاد اختیار کرنے کی پوری تلقین وترغیب دی، ان حالات میں سات دہائیاں گذریں اوران کی تاریک فضاؤں میں تین نسلیں گذریں جن کے ذہنوں سے بتدریج ان کی اسلامی روایات اور ماضی کو مٹایا گیا۔

لیکن اس کے ساتھ جو بات اسلام کے حق میں گئی، وہ تھی روسی اقتدار کی طرف سے مسلمانوں کو زبردستی اپنے میں تبدیلی لانے کے لیے جبر وقہر، اس سے جو ردعمل ہوا، اس نے مسلمانوں کے دلوں میں اپنے اسلامی ماضی سے ہمدردی اور دلچسپی کو ابھارا، چنانچہ روسی تسلط جب اقتصادی بدحالی کی وجہ سے ٹوٹا اور روسی صوبوں کو آزادی کی سانس لینے کا موقع ملا تو مسلمانوں میں اپنے ماضی کو یاد کرنے اور اسلام سے دلچسپی لینے کا جذبہ ابھر آیا اور نئی مسجدیں بننے لگیں، دوسرے مسلم ممالک سے روابط قائم ہونے لگے اور مسلم ممالک سے داعی اور علماء بھی آنے جانے لگے اور اسلامی بیداری تیزی سے شروع ہونے لگی۔

ترکی کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ مصطفی کمال نے بحیثیت فوجی قائد کے جنگ میں کامیابی حاصل کر کے واحد لیڈر کی حیثیت حاصل کرلی تھی، اس کے رسوخ واثر کے ذریعہ اسلامی خصوصیات مٹانے میں مدد لی، ترکی ٹوپی پہننے کو جرم قرار دیا، اذان عربی میں دینے کی ممانعت کردی، اسلامی وعربی تعلیم کی اجازت منسوخ کردی، عورتوں کے لیے پردہ کو جرم قرار دیا، لباس کی مشروعیت ختم کر کے مغربی لباس لازمی قرار دیدیا، اوران احکامات کی خلاف ورزی پر سخت سزائیں دیں، ملحدوں کی ہمت افزائی کی، تہذیب وتمدن وزبان سب مغربی مزاج ورنگ کا ماقبل اسلام کے ترکی کی جاہلانہ رسم ورواج اپنانے کے لیے ہرطرح کے حکومتی وسائل اختیار کیے، چنانچہ دیکھتے دیکھتے ترکی یورپ کے کسی دیگر ملک کی طرح ہوکررہ گیا، اور عالم اسلام سے اس کا رشتہ بالکل منقطع ہوگیا، ثقافت ورسم ورواج کو مغربی بنانے کی محنت میں وہ ملک و وطن کو مناسب پیمانے پر ترقی دینے سے بھی قاصر رہا، اس طرح وہ یورپ کا ایک تابع اور محتاج ملک بن کر رہ گیا، اور وہاں یورپ کا معاند اسلام خواب پورا ہوا۔

لیکن وہاں بھی جو بات اسلام کے حق میں گئی، وہ تھی بلغاریہ میں ترک مسلمانوں کے ساتھ عیسائی حکومت اور جرمن میں ترک مسلم اقلیت کے ساتھ عیسائی حکومت نے جو زیادتیاں کیں اور بوسنیا میں ترکوں کے حمایت یافتہ مسلمانوں کے ساتھ صرف عیسائیوں نے قتل ودرندگی کا جو بازار گرم کیا، پھر چیچنیا کے مسلمانوں کے ساتھ جو کہ ترکوں کے نسلی بھائی ہیں، عیسائیت نواز روس نے جو سخت تشدد وغارت گری مچائی، ان باتوں نے ترک مسلمانوں کے خون کو گرم اور اسلام سے ان کی ہمدردی کو بیدار کردیا اور اسلامی اخوت کے تعلق کو ابھار دیا۔

دوسری طرف ترک حکومت کے بعض سربراہوں نے ترکوں کو حفظ قرآن اور نماز کے امام ومؤذن کی ضرورت پوری کرنے کے لیے تعلیم گاہ قائم کرنے کی اجازت دی تو اس کے ذریعہ ترکوں میں اسلام اور شریعت اسلام سے واقفیت حاصل کر کے سیکڑوں افراد تیار ہوکر اسلام سے جدید ترکی نسل کے تعلق کو بڑھانے کا باعث بنے، پھر اسی دور میں اسلامی صحافت ولٹریچر نے بھی اپنا کام کیا، اور اسلام دشمن مغرب کی مکاری اور ظلم کو آشکارا کیا۔

بہر حال صدی کی آخری دو دہائیوں میں پورے عالم اسلام میں یورپ سے نفرت اور یورپ کی عیسائی عصبیت اور استعماری زیادتی سے ناراضی پھیلی اور خاص طور پر نوجوانوں میں اپنے شاندار ماضی کی یاد اور یوروپ کے استبداد سے ناگواری عام ہوگئی، اور یہ بات اس پورے علاقہ میں اسلامی بیداری کا سبب بن گئی، اس

کے نتیجہ میں حالات میں غیر معلومی تبدیلی آئی اور مسلمان ملکوں کا آپس میں تعاون کی ضرورت کا احساس پیدا ہونے لگا، اور سب کو یہ نظر آنے لگا کہ ہم سب کا ماضی ایک ہے، اور اب ہم سب کا دشمن بھی ایک ہے، جس کی وجہ سے ہم سب کے مسائل بھی ایک جیسے ہیں اور ہم سب کو جو طاقت متحد اور باعزت بناسکتی ہے، وہ اسلام ہے۔

لیکن عالم اسلام کے ملکوں کے حکمراں اب بھی یورپ کی سرپرستی سے آزاد نہیں ہوسکے ہیں یا یورپ نے اپنے استعماری و الحادی منصوبوں کے لیے اپنے جن وفاداروں کو قائدانہ وحاکمانہ مناصب پر بٹھایا ہے، ان ملکوں کے مسلمان داعیوں اور اسلام کے وفاداروں کو تاحال مشکلات کا سخت سامنا کرنا پڑ رہا ہے ، لیکن وہ مشکل حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلام سے وابستگی کو ابھار رہے ہیں، اور اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی حوصلہ مندیوں کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں، اسی کا اثر ہے کہ ترکی میں بالآخر اسلام پسند پارٹی نے الیکشن میں اتنی سیٹیں حاصل کرلیں کہ حکومت کی سربراہی اس کے اسلام پسند لیڈر نجم الدین اربکان کو مل گئی اور ان کے حکومت میں آجانے سے اب ترکی میں اسلامی وفاداری کھل کر ظاہر کی جانے لگی وہاں کے حالیہ دورے میں یہ بات پہلی مرتبہ نظر آئی کہ جہاں اسلام سے وابستگی ظاہر کرنا خطرناک سمجھا جاتا تھا، اب کئی دوسرے اسلامی ملک کی طرح اسلام سے وابستگی علی الاعلان ظاہر کی جانے لگی ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا محمد طلحہ کاندھلوی کی اہلیہ محترمہ جوارِ رحمت میں

جناب مولانا محمد طلحہ کاندھلوی جانشین شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی اہلیہ محترمہ اور مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی رکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء لکھنؤ کی ہمشیرہ صاحبہ ۳رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۸رجون ۲۰۱۸ء اس دارفانی سے کوچ کرگئیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ بڑی نیک، صالحہ، یتیموں اور مسکینوں کی اعانت ونصرت کرنے والی، اونچی نسبتوں کی حامل باوضع خاتون تھیں، کچھ دنوں سے طبیعت خراب تھی، میرٹھ کے ایک اسپتال میں علاج ومعالجہ چل رہا تھا، آخر وقت موعود آن پہونچا اور اپنے رب کریم کے حضور حاضر ہوگئیں۔

نماز جنازہ امیر جماعت دعوت وتبلیغ مولانا محمد سعد کاندھلوی نے پڑھائی اور تدفین کاندھلہ کے آبائی قبرستان میں ہوئی، جس میں اعزہ کے علاوہ دور دراز سے اہل تعلق نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، آمین۔

قارئین 'تعمیر حیات' سے دعا کی درخواست ہے۔ ☆☆☆

ڈاکٹر مولانا نوشاد علی ندوی کا انتقال

عالم دین وماہر طب وحکمت ڈاکٹر مولانا نوشاد علی ندوی کا طویل علالت کے بعد ۱۲ر رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۸رمئی ۲۰۱۸ء بروز دوشنبہ اپنے آبائی وطن قصبہ امیٹھی میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون، نماز جنازہ ان کے فرزند مولوی محمد طاہر ندوی نے رات ساڑھے دس بجے پڑھائی۔

مرحوم قصبہ امیٹھی میں پیدا ہوئے تھے، ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی، اسلامیہ انٹر کالج لکھنؤ سے انٹر پاس کیا، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، یہاں عالمیت وفضیلت کی تعلیم مکمل کی، کامل الطب طبیہ کالج لکھنؤ سے BUMS تک کی تعلیم حاصل کی، طیب کلینک کے نام سے اپنے ہی محلّہ میں مسجد کے پاس دواخانہ شروع کیا، دواخانہ کے ذریعہ عوام کی خدمت کرتے رہے، ساتھ ہی عقیدۂ توحید اور سنت نبویؐ کی شمع روشن کرتے رہے، کوئی دینی اجتماع، کانفرنس، سیمینار یا جلسہ ان سے نہیں چھوٹتا تھا، انہوں نے تبلیغی سفر میں کئی پیدل چلّے بھی لگائے اور کافی وقت بھی لگایا، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ اور مولانا شاہ ابرارالحق حقیؒ سے خاص طور پر روحانی استفادہ کیا۔

وہ بدن کے علاج کے ساتھ دلوں کی بیماریوں کا علاج کرتے تھے، مہمانوں اور پڑوسیوں کا بڑا خیال رکھتے تھے، ہر وقت باوضو رہتے، نماز کے وقت سے پہلے مسجد پہونچ جاتے۔

پسماندگان میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں: ڈاکٹر محمد طیب، مولانا محمد طاہر ندوی اور محمد زکریا۔ محمد طیب ان کا دواخانہ چلا رہے ہیں اور مولوی محمد طاہر ندوی ان کے دینی، دعوتی کاموں کو آگے بڑھا رہے ہیں، ندوہ کے درسی ساتھیوں میں مولانا عبدالقادر ندوی گجراتی، مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل دے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

عصر حاضر

اسلامی تشخص واقدار کی حفاظت

● مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
ترجمانی: محمد فرمان ندوی

اس وقت عالمی سطح پر اسلامی تشخص واقدار کو ختم کرنے کی خفیہ اور علانیہ کوششیں جاری ہیں، مسلمان دنیا کے کسی بھی گوشے میں ہوں، ان کے پاس ایک عقیدہ اور اس کے مطابق عمل ہے، اور وہ ناقابل تبدیل اسلامی شعائر کے حامل ہیں، انھیں خصوصیات سے وہ دوسروں پر فوقیت رکھتے ہیں، چونکہ وہ ایک صاحب پیغام قوم ہیں، اور جہاں بھی رہتے ہیں اپنی ثقافت اور تہذیب کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں، اس لیے اغیار کی خواہش ہے کہ اگر وہ عام انسانوں کی طرح رہتے ہیں تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ باقی رہیں گے تو یہ ناقابل برداشت عمل ہوگا۔

اسی احساس کی وجہ سے عالمی طاقتیں اسلام، اور مسلمانوں سے متعلق سارے آثار خواہ ان کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عام تہذیبی زندگی سے ہو، مٹانے کے درپے ہیں، انہیں کسی طرح یہ منظور نہیں کہ کوئی بھی اسلامی نقش مادی نظریات اور افکار کے مقابلے میں پروان چڑھے، اور عالم انسانیت کی فلاح وبہبود کا ذریعہ بنے، کیونکہ یہ ان کی تہذیب کے لیے خطرہ، اور ان کے قیادت کے لیے ایک رکاوٹ ہے۔

ہمارے معاشرہ میں متعدد ایسے گروہ ہیں، جو اس سلسلہ میں سرگرم ہیں اور وہ بھی اہل مغرب کا راگ الاپ رہے ہیں، انہوں نے سب سے پہلے اسلامی شریعت کا مطالعہ کیا، پھر اس کے درپہ ہو گئے، اور اس کے لیے ایسے وسائل استعمال کیے جو مسلمانوں کو تہذیبی خصوصیات سے عاری کر کے جانوروں کی صفوں میں کھڑا کرتے ہیں، اُس وقت ان کے لیے معاصی کا ارتکاب کرنا آسان ہو جاتا ہے، بلکہ وہ حرام میں ملوث ہونا اور باطل کو کمک پہونچانا ان کا صبح وشام کا مشغلہ ہوتا ہے۔

بعض ذرائع کے مطابق ایسے عناصر دشمنان اسلام کے پاس گئے، اور ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان سے کہا کہ اسلام میں بہت سے کمزور پہلو ہیں، انھیں میں سے ایک یہ کہ کعبہ ایک ہندو عبادت گاہ ہے، جس کو قدیم تاریخ میں میکومندر کہا جاتا تھا، اور یہ تین سو ساٹھ بتوں سے آباد تھا، جن کا انتساب تمام انسانی قبائل کی طرف تھا، لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو کعبہ سے باہر پھینکا، بلکہ ان کو پاش پاش کر دیا، ان کو اس وقت طاقت حاصل تھی، اس لیے ایسا کر ناممکن ہوا، لیکن ان کے اور ان کے دوسرے اعزہ کے درمیان تعلقات کشیدہ ہوئے، جن میں سر فہرست ابوجہل اور ابولہب تھے، یہ بتوں کے محافظ اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین کے مخالف تھے، اور محمدی دین تو ایسے امور کی رہنمائی کرتا ہے، جس سے آپس میں تفریق اور اختلاف وانتشار کو ہوا ملتی ہے۔

ایسی ہی بے بنیاد باتوں اور خرافات پر دشمنان اسلام کی دشمنی کی عمارت قائم ہے، اور اور یہی باتیں وہ اپنے ماننے والوں کو بھی بتاتے ہیں، اور ان سے بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی سطح سے کفر وشرک کی طرف لوگوں کو لائیں، اور ان کے لیے ماحول اور حالات کو سازگار بنائیں۔

یہ شر پسند عناصر مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کی ہیبت کو نکالنے اور اسلامی شریعت کو بے وزن ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، چنانچہ وہ ایمان کے بنیادی امور کی توہین کر کے قوموں اور جماعتوں کے درمیان ان کو موضوع بحث بناتے ہیں، یہ کوشش محدود سطح سے لے کر عالمی سطح پر جاری ہے، اور اہل ہوش وخرد پر مخفی نہیں ہے۔

یورپ کے مختلف ممالک میں یہ رجحان بڑی سطح پر عام ہو گیا ہے، وہاں حلال وحرام کی تمیز تقریباً مفقود ہے، اور سماج میں ایسی آزادی ہے، جو جانوروں کی آزادی سے بھی ماوراء ہے، نوجوان لڑکیوں کا لڑکوں سے بے محابا اختلاط، بازاروں اور دکانوں میں ان کے ذریعہ سامانوں کی خرید وفروخت، ہوٹلوں اور دیگر مقامات پر ان کی بآسانی دستیابی، شراب اور نشہ آور چیزوں کا کھلم کھلا استعمال، حرام مال کا حصول، سود کی ہر سطح پر تشہیر، یہ اور اس طرح کے دیگر امور نے بے حیائی کو معاشرہ میں ہوا دی ہے، اور اسلامی تشخص کا خاتمہ کر دیا ہے۔

اسلامی تشخص کے مخالفین نے علماء اور مشائخ کو بھی اپنے دام فریب میں لینا چاہا، اور اس کے لیے مختلف قسم کے پروگرام مرتب کیے، ان کو حرام غذا کھلائی، اس طرح ان کی روحانیت کو متاثر کیا، اور عبادت کی لذت وحلاوت سے ان کو محروم کر دیا، آج بھی یہ کوشش متعدد ناموں اور بینروں

کے ذریعہ جاری ہے، اور مسلم معاشرہ میں باوزن اور معتبر اشخاص کو لبھانے اور ورغلانے کے لیے پر کشش عناوین کا استعمال کیا جارہا ہے، ضرورت ہے کہ باشعور طبقہ ان سازشوں کو سمجھے اور ان سے دور رہنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

اسلام دین فطرت ہے ، اور زندگی کے پہلوؤں پر محیط ہے ، اللہ تعالیٰ نے اس کو خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے پوری انسانیت کو عطا فرمایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ذریعہ سے دنیا میں قائم اختلافات، عداوتوں اور شکررنجیوں کا خاتمہ کیا، اس دین نے دنیا کو امن دیا، انصاف دیا، سعادت عطا کی ، اور اخلاق عالیہ کے زیور سے آراستہ کیا، اور مختصر مدت میں دنیا کے ایک بڑے رقبہ پر بغیر کسی خونریزی اور تشدد کے پھیل گیا، یہ اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا واضح ثبوت ہے، شروع ہی سے اس دین کو ایسے حاملین ملتے رہے، جو دین وشریعت کے ماہر اور دشمنوں کی دسیسہ کاریوں سے واقف تھے، اس لیے انہوں نے اسلام کے آفاقی پیغام اور اس کی علمی، فکری اور انسانی تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا، اور علمی تصنیفات کے ذریعہ اس حقیقت کو دنیا کے سامنے واضح کیا کہ اسلام کسی انسانی ذہن کی پیداوار نہیں، بلکہ اللہ کا اتارا ہوا دین ہے، اس کی نگاہ میں امیر وغریب، شاہ وگدا سب برابر ہیں، ان کے درمیان اصل امتیاز طاعت و معصیت کی بنیاد پر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ، وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا“ [النساء:۶۹] (جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان افراد کے ساتھ اس کو جمع فرمائیں گے، جن پر اس نے انعام کیا ہے: انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور ان کی بہترین رفاقت ہے)۔

اسلام دشمن طاقتوں نے اس ربانی دین کو تشدد و دہشت گردی کا دین گردانا، اور اس کو اپنے لیے رکاوٹ تصور کیا، اور اس کو از کار رفتہ (Out Of Date) شمار کیا، اور اس پروپیگنڈے کی ہر سطح پر اشاعت کی، اور لوگوں کو یہ باور کرایا کہ دین اسلام قتل و غارت گری پر ابھارتا ہے، اور فتنہ وفساد کا داعی ہے، انہوں نے اس نظریے کے حامل افراد بھی تیار کردیے جوان کے نظریات وافکار کی ترویج واشاعت میں سرگرم ہیں اور اسلام کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے ہیں۔

بیسویں صدی عیسوی میں کمیونزم کا نظریہ ایک مدت تک معاشی خوشحالی کا سبز باغ دکھاتا رہا، اور مساوات کا نعرہ لگا کر اپنی طرف مائل کرتا رہا، لیکن بہت جلد اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے واضح ہو گئی اور وہ اپنی موت مر گیا، اور بری طرح ناکام ہوا، اس نظریہ میں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کی مخالفت تھی، اور اپنے نظریات کو خدا تصور کرنا تھا، ظاہر ہے کہ جب اللہ کے نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جائے گا تو ناکامی اور نامرادی مقدر بن جائے گی، مادی نظریات کے حاملین اپنے غلو پسند نظریات کی ناکامی کو ناکامی تصور نہیں کرتے بلکہ اس کی دوسری توجیہ کرتے ہیں، اور اس کے دوسرے اسباب ومحرکات تلاش کرتے ہیں۔

اس وقت دنیا کے سامنے ایک نیا نعرہ ہے، اس کے لگانے والے علم ودین کے حاملین ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ یہ نعرہ سہوا لگارہے ہیں یا قصداً، وہ ہے اسلام کا دفاع، اسلام کے تعلق سے دفاع کی تعبیر قابل غور ہے ، دفاع اس کا کیا جاتا ہے، جس میں نقص یا زیادتی ہو، اسلام تو اللہ کا اتارا ہوا صاف ستھرا دین ہے، اس میں اس کا کوئی امکان ہی نہیں، اس وقت دفاع کی نہیں، تعارف کی ضرورت ہے، اور یہ ایسا جامع اور مرتب ہونا چاہیے کہ اس میں ساری تفصیلات آجائیں۔

یہ اور اس طرح کے بے شمار ایسے مسائل ہیں جن میں اسلام دشمن طاقتیں الجھا کر بنیادی امور سے ہماری توجہ پھیرنا چاہتی ہیں ، اور اسلامی شریعت سے دور کرنا چاہتی ہیں، ایسے حالات میں اسلامی تشخص اور خصوصیات کو مکمل شکل میں اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے، کیونکہ ان کے اندر وہ نور ہے جو ظلمتوں کو کافور اور تاریکی کو دور کر دیتا ہے: ”أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا“ (کیا وہ شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندگی دی، اور اس کو ایک نور عطا کی، جس سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے، اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے، جو تاریکی میں بھٹک رہا ہو) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ، وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ“ [البینۃ:۵] (اور انھیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں، دین کو خالص کر کے اور اسی کے لیے یکسو ہوکر، اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں، اور یہی سیدھا دین ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلام اور مغرب

سامراجی ذہنیت وتربیت کے اثرات

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

مغربی سامراج کے ابتدائی دور میں یہ تصور عام کیا گیا کہ مذہب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے، اور یورپ کی کامیابی وترقی کا راز مذہب سے بغاوت ہے، لیکن اس طویل عہد کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر سطح پر کسی نہ کسی شکل میں یورپ کا مذہب کے ساتھ رابطہ قائم رہا ہے، چاہے وہ کتنا ہی محدود کیوں نہ ہو، جو لوگ ترقی پسندی اور آزاد خیالی میں مذہب کا زبانی طور پر انکار کرتے ہیں، وہ بھی مخصوص حالات میں مذہبی تصورات سے کسی نہ کسی طرح منسلک نظر آتے ہیں، جہاں مذہب کے خلاف مسلسل تحریک چلائی گئی وہاں طویل مدت کے بعد لوگوں کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ مذہب لافانی چیز ہے۔

عیسائیت کی ترویج

گذشتہ سالوں میں مذہب کو ماننے اور نہ ماننے والوں کا تناسب معلوم کرنے کی غرض سے جو اعداد وشمار حاصل کیے گئے ان کے مطابق لوگوں کی ایک بہت محدود تعداد ایسی ہے جو کسی مذہب کو تسلیم نہیں کرتی، مغرب کے مذہب سے کنارہ کش ہونے کا جو تصور عام ہے، اس کی حقیقت مندرجہ ذیل حقائق سے سامنے آجاتی ہے:

۱- دنیا میں عیسائیت کی نشر واشاعت کے لیے مغرب کا بڑھا ہوا جوش۔

۲- یورپی ممالک کا غیر یورپی ممالک میں آباد عیسائیوں سے تعلق اور ہمدردی۔

۳- مذہبی تحریکوں واداروں کے قیام میں ان ترقی یافتہ حکومتوں کا تعاون اور سرپرستی جو جمہوریت اور آزاد سیاست کی دعویدار ہیں۔

۴- مشنری اسکولوں، اسپتالوں وگرجاؤں کے قیام پر صرف ہونے والی خطیر رقومات، ان کی ترقی کے لیے جدید وسائل کی فراہمی اور مغربی ملکوں کی اس سے بڑھتی ہوئی دلچسپی۔

۵- راہبوں اور پادریوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ۔

٦- پاپائے روم کا مغربی ملکوں میں اثر و رسوخ اور سرکاری طور پر ان کا اکرام واعزاز۔

مغرب نے مسیحیت کی نشر واشاعت کے لیے تمام ممکنہ وسائل کو اپنا رکھا ہے اور اس مقصد کے لیے سرکاری مشنری اور معاشی وثقافتی اداروں کو اس نے پوری طرح استعمال کیا ہے۔

عیسائی مذہب کی اشاعت کے لیے مغرب کی انتھک کوششیں اور مسیحی دعوت کی سرگرمیوں میں ترقی یافتہ مغربی ملکوں کا تعاون نہ کوئی ڈھکی چھپی چیز ہے اور نہ ہی یورپ اس کو چھپانے کی ضرورت سمجھتا ہے۔

مذہب کی حکمرانی سے زندگی کو علیحدہ رکھنے کے تصور کو لینن انقلاب کے بعد اس وقت مزید تقویت ملی تھی جب اشتراکی رہنماؤں نے اپنی مذہب بیزاری کا اعلانیہ اظہار کیا تھا اور اشتراکیت کے علم برداروں نے یہ اعلان کیا تھا کہ مذہب اشتراکیت کا دشمن اولیں ہے، لیکن اس کے مخاطب صرف مسلمان ہی تھے، روس میں اشتراکی رہنماؤں کا مسیحیت سے ربط، یوروپین عیسائی اقوام کے حق میں ان کا تعصب اور اسلام و مسلمانوں سے ان کی نفرت آج تک جاری ہے اور بہت سے مواقع پر یہ بات عیاں ہوچکی ہے کہ ان کی مذہب بیزاری صرف اسلام بیزاری ہے چنانچہ مذہب کے خلاف مہم کا اصل نشانہ مسلمان ہی ہیں اور اس کا زور مسلم ریاستوں میں زیادہ محسوس کیا جاتا ہے۔

اسلام دشمن عناصر کی پشت پناہی

یورپ کی مذہب سے وابستگی اس بات سے اور زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے زیر اثر مسلم ممالک میں مغربی طرز فکر کی اشاعت کے ساتھ عیسائیت پھیلانے والے اداروں کو تقویت پہونچانے اور ان کے لیے مزید سہولتیں فراہم کرنے کے لیے کوشاں رہتا ہے اور اسلام کی دعوت واشاعت کے راستہ میں رکاوٹ کھڑی کرتا ہے، اس کام کو انجام دینے کے لیے ان پر مسلسل اسلامی رجحان کو کچلنے کے لیے نہ صرف یہ کہ مسلم حکومتوں کو آمادہ کرتا رہتا ہے؛ بلکہ اقتصادی و سیاسی دباؤ بھی ڈالتا رہتا ہے، مصر، سوڈان، صومال، شام الجزائر، ترکی، تونس، لیبیا، عراق اور لبنان کے حالات اس کا کھلا ثبوت فراہم کرتے ہیں، اقتصادی اور سیاسی مفادات کی بنا پر مسلم اکثریت کے ممالک یورپ کی اس خواہش کو پورا کرنے پر مجبور ہیں، اس کا سب سے بڑا ثبوت انڈونیشیا ہے جہاں مسلم اکثریت ہوتے ہوئے بھی عیسائیوں کو مسلمانوں سے زیادہ مذہب کی

اشاعت کی آزادی حاصل ہے۔

مسلم ممالک میں مغربی ثقافت اور عیسائیت کی اشاعت کے پورے مواقع میسر ہیں اور عیسائی مبلغین کی آمد ورفت پر کوئی پابندی نہیں جب کہ بعض اہم اسلامی مفکرین کی آمد ورفت اوران کے لٹریچر پر پابندی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے، صلیب نیز دیگر راہبوں وراہبات کی تصاویر ہوٹلوں اور اسپتالوں میں عام ہیں۔

خود جزیرہ نمائے عرب اور اس کے پڑوسی ممالک میں مشنری لٹریچر کی نشرواشاعت اور مشنری اسکولوں کے قیام کی پوری اجازت ہے جب کہ جزیرۂ عرب کے متعلق تصریح موجود ہے کہ وہاں اسلام کے ساتھ کسی دوسرے مذہب کا اجتماع نہیں ہوسکتا، گرجاؤں کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے اوران کی تعمیر پر کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔

اسلام اوراسلامی تمدن کی مخالف پارٹیوں، اداروں اور تنظیموں کو کام کرنے کی کھلی چھوٹ ہے، ان سب کے نتیجہ میں ان ممالک میں عیسائی و صہیونی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جارہی ہیں؛ لیکن اسلامی دعوت، مظاہر اسلامی کے متبعین اوراسلامی دینی اداروں کے قیام کے سوال پر نہ صرف یہ کہ ان کو جمہوریت کا فراموش کردہ سبق یاد آجاتا ہے؛ بلکہ ان کے ساتھ ان کا رویہ مخالفانہ ہوتا ہے۔

اسلامی شعائر پر پابندی

اسلامی سرگرمیوں، مذہبی تحریکوں اوراسلامی جماعتوں کے قیام پر پابندیاں بہت سے اسلامی ممالک میں عرصہ سے عائد ہیں، لیکن ایک نئی چیز جو گذشتہ سالوں سامنے آئی ہے، وہ ہے مساجد، قرآنی مکاتب اور تلاوت قرآن یا مذہبی اسباق کے لیے تشکیل کردہ مذہبی تنظیموں پر پابندی، اخباری رپورٹوں کے مطابق تیونس میں زین العابدین کے عہد میں حکومت نے سرکاری مراکز و دفاتر سے قریب مساجد کی تالہ بندی کے احکام صادر کیے، جس کی دلیل یہ پیش کی گئی کہ مساجد سے زیادہ آمد ورفت رکھنے والے حضرات دہشت پسندانہ خیالات رکھتے ہیں جبکہ چرچوں کے ذمہ داران آزادی کا پورا فائدہ اٹھارہے ہیں، مسلم ممالک کے ایک وزیر نے تو یہاں تک کہا کہ کسی بھی سیاسی پارٹی حتی کہ کمیونسٹ پارٹی کو بھی سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دی جاسکتی ہے اور سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جاسکتا ہے؛ لیکن اسلامی تحریک اوراس کے متعلقین کو برداشت نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح مسلم ممالک میں شرآمیز، اشتعال انگیز کتابچوں اور اخبارات ورسائل کی کھلی آزادی ہے، لیکن اسلامی لٹریچر اور عظیم علماء اسلام کی کتابوں کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اقتدار پر قابض طبقہ کے نزدیک ان سے تشدد کا مزاج پیدا ہوتا ہے۔

اسلام ہی نشانہ ہے

یہ طرز عمل اس بات کی دلیل ہے کہ ہر ملک میں مذہب سے مراد صرف اسلام ہے، اس لیے کہ یہ حکومتیں ان قدیم افکار و مذاہب اور قدیم ورثہ کے احیاء کی تحریکات کو جائز قرار دیتی ہیں جن کو بدلتے ہوئے زمانے نے فنا کردیا ہے، اسی طرح قدیم تہذیبوں اور زبانوں کے احیاء کو بھی بجا سمجھتی ہیں اوران چیزوں سے وابستگی کو نہ تو بنیاد پرستی، قدامت پسندی سمجھتی ہیں، نہ ہی نسل پرستی، تنگ نظری اور دقیانوسیت، لیکن اسلام جو اپنی ہمہ گیری، انسان دوستی، رواداری اور فکرونظر کی آزادی کے لحاظ سے وسیع ترین مذہب ہے اور جس کا نوع انسانی کو صدیوں تک کامیاب تجربہ وسابقہ رہا ہے، اسے ہر ملک میں مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور مسلم ممالک میں بھی وہ اسی طرح جنگ کی کیفیت سے دوچار ہے جس طرح ان غیر مسلم ممالک میں۔

مغرب کے اس مقصد کو صرف وہی ممالک پورا نہیں کررہے ہیں جن کے سربراہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اسلام مخالف ہیں، یا جن کی نشوونما خالص مغربی سامراجی اداروں میں ہوئی ہے، بلکہ اس سلسلہ میں وہ ممالک بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر سلبی کردار ادا کررہے ہیں جو اپنے آپ کو اسلام نواز کہتے ہیں، تحریک اسلامی کے سلسلہ میں ان کا رویہ بھی ہمت افزائی کا نہیں ہے اوراسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں سرکاری مشنری اتنی فراخ دل اور سرگرم نہیں ہے جتنی کہ مغربی ممالک کی سرکاری مشنریاں عیسائیت کی اشاعت کے سلسلہ میں فعال ہیں، اکثر ملکوں میں دعوت اسلامی کا کام کرنے والے پابندیوں کا شکار ہیں، اخلاقی ودینی تربیت کرنے والوں کو آزادی حاصل نہیں، سرکاری حلقوں کی طرف سے ان کی سرگرمیوں کو علیٰحدگی پسندی، بنیاد پرستی سے تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ فساد پھیلانے والے مغرب زدہ لوگ اصلاح پسند کہلاتے ہیں، قرآن انہی جیسے لوگوں کے لیے کہتا ہے: "أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ". فتنہ پرور تو خود یہی ہیں لیکن ان کو علم وشعور نہیں۔

مذہب انسان کی بنیادی ضرورت ہے

مذہب ایک انسانی ضرورت ہے اور کوئی بھی

انسان اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، مذہب ہی انسان کے لیے کامیابی وکامرانی اور روحانی سکون کا سرچشمہ ہے، اور اس روحانی سعادت سے محروم کوئی بھی معاشرہ حقیقی سعادت حاصل نہیں کرسکتا، مذہب ہی انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے اور مادی استحصال کو ختم کرتا ہے اور برائی سے بچنے کا شعور پیدا کرتا ہے، مذہب کے ذریعہ جو ذہنی انقلاب پیدا کیا جاسکتا ہے وہ سیاسی اور سماجی تحریکات سے زیادہ پائیدار اور وسیع ہوتا ہے، اسی وجہ سے اب مختلف ملکوں میں مذہب کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کا احساس پیدا ہورہا ہے۔

دین بیزاری

سامراجی نظام تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں آج انسانیت کو پیچیدہ مسائل کا سامنا ہے، ان مسائل سے صرف ترقی پذیر ممالک ہی دوچار نہیں ہیں؛ بلکہ ترقی یافتہ ممالک کی بھی سلامتی کے لیے یہ مسائل خطرہ بن رہے ہیں اور ان کی تہذیبی ترقی میں رکاوٹیں کھڑی کررہے ہیں، یہ وہ مسائل و مشکلات ہیں جو دین واخلاق سے عاری تعلیم و تربیت سے پیدا ہوئے ہیں۔

اس غیر دینی اور غیر اخلاقی تربیت کے نتیجہ میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آگیا جو بظاہر ترقی و پیش قدمی کرتا نظر آتا ہے، مگر درحقیقت وہ خود غرضی میں مبتلا اور اپنی ذات تک محدود ہے جس میں اگر آدمی خود غرضی وخود پرستی سے نکلتا بھی ہے تو خاندان اور ماحول کے اسی دائرہ تک جس میں وہ خود زندگی بسر کررہا ہے، اس سے مزید انانیت اور اپنی برادری اور اپنی سرزمین کے لیے مزید عصبیت پیدا ہوتی ہے، پھر بھی انسان اس غلط فہمی میں ہے کہ وہ ایک عالمگیر معاشرہ میں زندگی بسر کررہا ہے اور اس کا معاشرہ ایک آزاد وبااختیار معاشرہ ہے جس کے افراد کے درمیان جغرافیائی، خاندانی، نسلی یا قومی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں ہے، انسان سمجھتا ہے کہ وہ باہمی الفت ویگانگت کی فضا میں جی رہا ہے حالانکہ وہ باہمی بغض ونفرت اور قتل وغارتگری کی زندگی گذار رہا ہے۔

نسلی تفریق

موجودہ دور میں نسلی تفریق ختم کرنے کی زبردست کوششوں کے باوجود نسلی تفریق روز بروز بڑھتی جارہی ہے، اجتماعی روح پیدا کرنے کی تمام جدوجہد کے باوجود خود پسندی اور انانیت ترقی کرتی جارہی ہے، عالمگیر معاشرہ پیدا کرنے کی جملہ مساعی کے باوجود علاقائیت فروغ پارہی ہے، انسان کو فرقہ وارانہ نسبتوں سے نکالنے، اور ذات پات اور فرقہ کی بنیاد پر امتیاز وتفریق سے پاک عادلانہ معاشرہ تشکیل کرنے کی کوششوں کے باوجود فرقہ واریت ابھرتی جارہی ہے، موجودہ معاشرہ جملہ اقسام کی غلامی، استحصال اور بربریت پر قابو پانے میں ناکام ہے اور یہ تمام شکلیں آج کسی نہ کسی شکل میں ہر ملک میں موجود ہیں اور ان میں اضافہ ہورہا ہے۔

تباہ کن رجحانات

دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کے دستوروں نے مختلف انسانی قوموں کے درمیان امتیاز وتفریق ختم کرنے، اور رنگ ونسل اور عقیدہ ومذہب کی بنیاد پر پائے جانے والے اختلاف کو دور کرنے، اور عقیدہ، فکر اور عمل کی آزادی دینے کو اپنے پیش نظر رکھا، ان ممالک میں جنھوں نے جمہوریت، اشتراکی مساوات، انسانی وحدت اور بنیادی انسانی حقوق کو اپنایا، ترقی یافتہ ممالک سرفہرست تھے، لیکن ان تمام قوانین، اعلانات اور دستوری ضمانتوں کے باوجود آج انسانیت کو قومیت، فرقہ واریت، علاقائیت اور ذاتی اغراض ومفادات کے زبردست سیلاب کا سامنا ہے، یہ رجحانات انسانیت کو فنا کرڈالنے کی دھمکی دے رہے ہیں، زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ ماضی میں انسان کو وہ تباہ کن وسائل وذرائع حاصل نہیں تھے جو آج حاصل ہیں، ماضی میں یہ رجحانات اپنی محدودیت کی وجہ سے بڑے نقصان کا سبب نہ بن پاتے تھے، لیکن آج یہ رجحانات تباہ کن وسائل وذرائع کی وجہ سے بڑے نقصان کا سبب بن رہے ہیں۔

خوفناک صورت حال

آج دنیا کے مختلف علاقوں میں جو صورت حال ہے وہ بے انتہا خوفناک ہے جس کا مقابلہ کرنے اور حل نکالنے سے تمام موجودہ سیاسی قیادتیں اپنی انتظامی اور فوجی قوت کے باوجود عاجز ہیں کیونکہ یہ رجحانات اب تنہا ذہنی اور فکری رجحانات کی حد تک محدود نہیں ہیں، بلکہ یہ تحریکات کی شکل اختیار کرگئے ہیں جن کو وسائل نشر واشاعت، اسلحہ کی طاقت اور قومی وبیرونی تائید حاصل ہے، آج اگر کوئی علیحدگی پسند یا دہشت پسند تحریک خواہ فرقہ پرست ہو یا نسل پرست، اٹھتی ہے تو اس کو ہتھیاروں کی کھیپ کی کھیپ فراہم ہوجاتی ہے، اگر افرادی قوت کے لحاظ سے یہ تحریک کمزور ہوتی ہے تو باہر سے رضا کاروں، کرائے کے آدمیوں، پڑوسی ملک کے ایجنٹوں یا تربیت دینے والوں اور راہ دکھانے والوں کی صورت میں اسے افرادی قوت فراہم ہوجاتی ہے، دہشت پسند تنظیمیں اور حکومتیں انھیں اپنی خدمات پیش کرتی ہیں اور امداد کے ہر طلبگار کو

جلد از جلد اسلحہ اور گوریلوں کی مدد فراہم کرتی ہیں جب دہشت پسندانہ سرگرمیوں کو یہ امداد اور تعاون حاصل ہو اور علیحدگی پسند اور نسل پرست رجحانات کو قوت پہنچانے والی تنظیمیں موجود ہوں، تو تفریق پیدا کرنے والے ان رجحانات پر قابو کیسے ممکن ہے؟

موجودہ فساد کا حل

انسانی تہذیب ومعاشرہ کے لیے آج حقیقی خطرہ اور ہر ملک کے امن وامان کے لیے چیلنج بنے ان علیحدگی پسند اور فرقہ پرور رجحانات کی روز افزوں ترقی ہے، نیز مختلف انسانی طبقوں کے درمیان کشمکش میں اضافہ اور آسانی سے ہتھیاروں کی فراہمی ہے، ان علیحدگی پسند اور مفاد پرست رجحانات کا مقابلہ صرف انسان کی محبت اور اس کے احترام کا بیج بو کر، اور بھائی چارگی کے جذبہ کو فروغ دے کر ہی ممکن ہے اور یہ چیز دین واخلاق کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے، دین واخلاق انسان کے باہمی ربط اور انسانی بھائی چارہ کا سب سے پائیدار ذریعہ اور انسانیت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہیں، دنیا میں دین ہی وسیع اتحاد واتفاق کا سبب رہا ہے اور دین کے میدان سے ہٹنے کے بعد ہی یہ تنگ اور چھوٹے چھوٹے دائرے وجود میں آئے ہیں، آج یورپ اسلام اور مسلمانوں اور غیر ملکوں میں مقیم عربوں سے خوف وخطرہ محسوس کررہا ہے اور اسلامی پیش قدمی کو روکنے کے لیے فکر مند ہے، اس لیے کہ وہ محض سیاسی یا قومی نقطۂ نظر سے دیکھتا اور سوچتا ہے، اس نے اسلام کی حقیقت اور تعمیر اخلاق میں اس کے کردار کو نہیں سمجھا ہے، حقیقتاً اسلام اور مسلمان انسانیت یا تہذیب کے لیے خطرہ نہیں؛ بلکہ انسانی وحدت کی تشکیل کے اہم عنصر ہیں، وہ ایسی وحدت کی صلاحیت رکھتے ہیں جس میں انسانیت کا احترام وشرف قائم رہتا ہے، اس کے برابر کوئی دوسری وحدت نہیں اور اسلام کی طرف واپسی ہی ان بحرانوں کا واحد حل ہے جو آج انسانیت کے لیے خطرہ ہیں، اسی لیے مختلف جماعتوں اور گروپوں میں دینی واخلاقی روابط کو مستحکم کرنا ضروری اور دینی بیداری پیدا کرنا لازمی ہے جو انسان کو اس کی ذمہ داری اور زندگی میں اس کے کردار و مقام کی تعلیم دیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

جناب محمد عثمان قریشی کی رحلت

شعبۂ امتحان، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے قدیم کارکن جناب محمد عثمان قریشی کا مختصر علالت کے بعد ۲۶/ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ کی شب انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ اور تدفین اگلے روز صبح گیارہ بجے ہوئی، جس میں نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی، اساتذہ، کارکنان دار العلوم، اور شہر کے اہل تعلق بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔

مرحوم نے مدرسہ عالیہ فرقانیہ چوک، لکھنؤ سے حفظ اور روایت حفص کی سند حاصل کی، عصری تعلیم لکھنؤ یونیورسٹی سے حاصل کی، ندوۃ العلماء سے بڑی عقیدت تھی، چنانچہ ۱۹۷۸ء میں اس سے بحیثیت کارکن وابستہ ہوگئے، اور مختلف عہدوں پر مفوضہ امور انجام دیتے رہے، آخر میں شعبۂ امتحان سے متعلق تھے، انتقال سے تقریباً چار سال قبل صحت کی کمزوری کے سبب ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ نے مزاج میں بڑی نرمی اور شگفتگی دی تھی، حلقۂ احباب بہت وسیع تھا، مزاج دینی تھا، تمام بچوں کی تعلیم وتربیت کا بقدر استطاعت بہتر نظم کیا، اور اپنے لیے زادِ آخرت تیار کیا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ سے بیعت تھے، گاہے گاہے ملاقات بھی کرتے اور ان کے مواعظ وارشادات سے مستفید ہوتے تھے، وفات کے بعد ان کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ سے تجدید بیعت کی اور تاحیات ان کے مریدین میں شامل رہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی لغزشوں کو معاف فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے، آمین۔ قارئین 'تعمیر حیات' سے دعا کی درخواست ہے۔

مولانا کلیم اللہ ندوی کے برادر خورد کی وفات

☆ کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سینئر کارکن مولانا کلیم اللہ ندوی کے چھوٹے بھائی محمد عمر بن مجیب اللہ (ولادت: ۱۹۷۸ء) کا طویل علالت کے بعد ۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ کی صبح انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، نماز جنازہ اور تدفین بعد نماز عصر امر پالی قبرستان میں ہوئی، جس میں اعزہ اور اہل تعلق بہت بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔

مرحوم عصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت گنج لکھنؤ کے ہونڈا کمپنی میں ملازم ہوگئے، پھر منیجر بنے، بڑی امانت داری کے ساتھ کام کرتے رہے، دو سال قبل کینسر کے مرض میں مبتلا ہوئے، آخر مالک حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل دے، آمین۔

قارئین 'تعمیر حیات' سے دعا کی درخواست ہے۔ ☆☆☆

تربت ایوبؓ

شہر آرزو استنبول میں- ہوا خیمہ زن کاروانِ بہار

مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری

ترکی کے حالیہ پارلیمانی اور صدارتی نظام کے الیکشن میں رجب طیب اردغان کی پارٹی کو جو بے مثال کامیابی ملی ہے، اس سے مغربی استعمار کی دنیا میں سناٹا چھایا ہوا ہے کہ پورے طور پر جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹنے والے مغربی ملکوں میں بھی ۳۵؍فیصدی سے زیادہ ووٹنگ نہیں ہوتی، ترکی میں کیسے ۸۸؍فیصدی تک ووٹنگ ہوگئی، اور رجب طیب اردغان کو ساڑھے باون فیصدی سے زیادہ ووٹ مل گئے، اس غیر معمولی کامیابی کا راز کیا ہے؟ ہم ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اس میں کیا عبرت ہے؟ دینی دعوت کی حامل جماعتوں کو کیا کرنا چاہیے؟ ترکی میں نقشبندی مشائخ نے کیا کردار ادا کیا؟ اور کیسے اپنے مقاصد کو ہر حال میں سامنے رکھا؟ کیا ہم برصغیر ہی نہیں، عالم عربی واسلامی میں اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے تیار ہو سکتے ہیں؟ پہلے پہل تیونس میں عرب بہاریہ نے خیمہ زن ہونے کی کوشش کی تھی جو ناکامی کی صورت میں سامنے آئی، پھر شام ومصر میں ناکامی سے دوچار ہونا پڑا، ترکی کے حالات پر غور کرنے سے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ [ادارہ]

آج سے ۲۲؍سال قبل 'شہر آرزو استنبول میں- ہوا خیمہ زن کاروانِ بہار' کے عنوان سے اس راقم کی ایک رپورٹ 'تعمیر حیات' ہی کے صفحات میں شائع ہوئی تھی، اس میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کے صدر عالی قدر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے اعزاز میں جو جلسہ منعقد کیا گیا تھا، اس کی مفصل رپورٹ تھی، اس میں پورے عالم اسلام کے ادباء، دانشوران اور مفکرین شریک ہوئے تھے، علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی اور محمد قطب کے علاوہ برصغیر کے علماء نے حضرت مولاناؒ کی زندگی، ان کی سیرت، دعوت وفکر اور علمی کارناموں پر مقالے پڑھے تھے، اس وقت ترک حکومت کی سربراہی نجم الدین اربکان کررہے تھے، ٹھیک ۲۲؍سال بعد نجم الدین کے تلمیذ رشید رجب طیب اردغان نے عنان اقتدار سنبھالی ہے، اس شان کے ساتھ کہ مقررہ وقت سے ڈیڑھ دو سال پہلے اپنی صدارتی اور پارلیمانی عہدوں کے انتخابات صاف شفاف جمہوری طریقے سے کراکے زبردست کامیابی حاصل کرلی ہے، ان کی اس کامیابی نے مغربی دنیا میں ایک ہلچل سی مچادی ہے، وہ اس انتخاب کو نہ صرف عیسائی اقوام بلکہ مغربی طاقتوں کے لیے ہمیشہ کے لیے ایک خطرہ سمجھ رہی ہیں، اور عالمی پیمانہ پر سیاست وقیادت اور مغربی تہذیب کے فروغ کے سلسلہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتی ہیں، آج جب کہ رجب طیب اردغان دنیا بھر میں بڑے منجھے ہوئے سیاست داں تصور کیے جاتے ہیں اور اپنی اس سیاسی بصیرت، عقل و دانش اور فہم وفراست کی بدولت ترکی سیاست میں اپنی دھاک بٹھا رکھی ہے، استنبول یعنی یورپ وایشیا کے دروازہ پران کا قابض ہونا اسلام دشمن طاقتوں کے لیے زبردست چیلنج بن گیا ہے، اس راقم نے استنبول جیسے شہر میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کے داعیوں کے اجتماع کو 'کاروانِ بہار کے خیمہ زن' ہونے سے تعبیر کیا تھا، آج ۲۲؍سال بعد عوامی انتخابات کے ذریعہ قبضہ کو ہم پھر بہار کے خیمہ زن ہونے سے تعبیر کررہے ہیں کہ اس کے بڑے دوررس اور گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔

قسطنطنیہ یعنی استنبول پوری ملت اسلامیہ کے ارمانوں کی بستی ہے، ایسا شہر اور ایسی سرزمین جس کا نام ہی ایک مسلمان کے جذبات میں تلاطم اور اس کے دل کی دنیا کو زیروزبر کرکے رکھ دیتا ہے، وہ استنبول جو ملت اسلام کا عظیم تاریخی شہر اور سیکڑوں برسوں کے کشت وخون کا حاصل ہے اور امت مسلمہ کی سطوت و دبدبہ کا نشان پائیدار ہے جو محمد الفاتح کی ذاتی فتوحات نہیں بلکہ اسلامی فتوحات کے تاریخی مرقع میں ایک شاندار، پرجلال اور عظیم الشان، زندہ وتابندہ، جگمگاتی اور مسکراتی ہوئی دلکش تصویر ہے، یہ وہ شہر ہے جو صدیوں تک ملت اسلام کی عظمت وسطوت کا رمز بنارہا، جہاں کے حکمرانوں کے ناموں کی ہیبت اور رعب ودبدبہ سے یورپ کے گرجا گھروں کے گھنٹے بجنے بند ہوجاتے تھے، ستر سال تک دشمنوں کی

سازشوں، مکروفریب اور طاقت کے بل پر یہ عظیم اسلام اور مسلمانوں کے لیے شجر ممنوعہ بنا رہا، ایک مستند روایت کے مطابق صرف ۵۷/ ہزار علماء کو اسلام کا نام لینے کے جرم میں تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا، لاکھوں انسانوں نے قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں، لیکن آخر کار 'خونِ صد ہزار انجم سے سحر پیدا' ہوکر رہی، جب میر کارواں اس شہر میں داخل ہورہے تھے تو قرآنی مکاتب کی چاردیواری میں تیار ہونے والے شاہین بچے ایا صوفیا میں دوبارہ اذان دے رہے تھے، اور یہی اسلام جس کا نام لینے پر رقیب تھانے میں رپٹ لکھواتے تھے، اور اس کے نام لیواؤں کو تختۂ دار پر لٹکواتے تھے، اب اس کا نام بڑے فخر اور بڑی خوداعتمادی سے سرکاری اسٹیج پر لیا جارہا ہے۔

حضرت مولاناؒ جب پہلی بار ۱۹۵۶ء میں امیدوں اور تمناؤں کی دنیا لیے ہوئے اس تاریخی سرزمین پر داخل ہوئے تو بے اختیار پکار اٹھے: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، قدم قدم پر ان کے مچلتے آرزوؤں کا خون ہوا، ارمانوں کی اس بستی کو لٹے پٹے اور اجڑے ہوئے دیکھ کر وہ خون کے آنسو روئے، لیکن دعوت وعزیمت اور قوموں کے عروج وزوال کے کھنڈرات اور ملبوں اور تاریخ کے سلوٹوں میں پوشیدہ خزانوں اور حقائق کی جستجو کرنے والے اس محقق اور دقیقہ رس مصنف اور اسلام جیسے لافانی مذہب پر یقین رکھنے والے اس داعی مرد مومن کو امید کی کرن نظر آئی اور اس نے پیشین گوئی کی کہ ؎

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی

ترک حکومت نے بدرجۂ مجبوری حفظ قرآن کے مکاتب اور ائمہ مساجد کی تعلیم کے لیے محدود پیمانہ پر اجازت دی تھی، یہ سمجھ کر کہ طاقتور سیکولر حکومت کا جس کو پوری مغربی دنیا اور خود ترک فوج کی طاقتور پشت پناہی حاصل ہے، یہ مدارس کیا بگاڑ لیں گے، لیکن یہ حفاظ اور ائمۂ مساجد تعلیمی زینے طے کرتے ہوئے یونیورسٹیز کی سطح تک اور پھر وہاں سے حکومت کے دَروبست تک پہونچ گئے، حفظ قرآن اور تعلیم، امامت وخطابت کے محدود ماحول کو انہوں نے غنیمت سمجھا، انہی مکاتب کی چاردیواری میں ان کی اسلامی تربیت بھی ہوئی، اس حفظ قرآن کے نظام میں ایسی برکت ہوئی کہ اس کی بدولت نہ صرف عربی زبان بلکہ اسلام زندہ ہورہا ہے، اسلامی تہذیب کا چراغ روشن ہورہا ہے، ایک ترک عالم نے فرمایا کہ آپ سڑکوں پر بے حیائی کے مناظر کو نہ دیکھیے، ترک بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا جو نظام ہم نے بنایا ہے، ان شاء اللہ اس کے آثار دس سال بعد آپ کو نظر آئیں گے، ہم قانون بنا کر نہیں بلکہ ترک معاشرہ کی بنیاد از سرنو رکھ رہے ہیں، ہم نے شیخ ندوی کی نصیحت جو انہوں نے ۱۹۵۶ء میں اپنی آمد پر کی تھی، اپنی گرہ میں باندھ لی ہے، کہ ایک بچی کی تعلیم وتربیت کا مطلب پوری نسل کو تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنا ہے، اس وقت ہم گیارہ سو مدارس صرف لڑکیوں کی تعلیم کے لیے چلا رہے ہیں، حفظ قرآن کے دس ہزار مکاتب اور اسلامی ہوسٹل کے ذریعہ بیس ہزار نوجوانوں کو یونیورسٹیز میں تعلیم دلا رہے ہیں، ان کو ہم اسلامی ماحول میں رکھتے ہیں، معمولی چارج لے کر ان نوجوانوں کے لیے قیام و طعام کی سہولتیں مہیا کرتے ہیں، کتابیں بھی مہیا کرتے ہیں، اگر وہ یورپ و امریکہ جاکر تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو وہاں بھی ہم ان کو یہ سہولتیں فراہم کرتے ہیں، یہ بات قابل ذکر ہے کہ عراق کے ممتاز عالم وداعی شیخ محمد محمود الصواف نے جو رابطہ عالم اسلامی کے بانیوں میں تھے، شاہ فیصل کے ایما وتعاون سے ترکی میں اہل خیر کی مدد سے حفظ قرآن مجید کا جال پورے ملک میں پھیلا دیا تھا، مؤسسۃ الحرمین کے ذریعہ نئی مسجدوں کی تعمیر کا کام انجام پایا، نقشبندی شیوخ نے اپنی خانقاہوں میں بڑی خاموشی سے نوجوانوں کی اخلاقی تربیت اور تزکیہ کا کام انجام دیا، تیسری طرف ندوی فاضل یوسف صالح قراچہ نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تقریباً تمام کتابوں کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا، خصوصاً تاریخ دعوت و عزیمت کی تمام جلدوں کا ترجمہ ہوا، سیرت احمد شہید اور ماذا خسر العالم، قصص النبیین کے تمام حصوں کا ترجمہ بڑا مقبول ہوا، حضرت مولاناؒ کی کتابوں کے ترجمے بکثرت پڑھے جارہے ہیں، ترک وزارت داخلہ کی ایک خصوصی رپورٹ میں آج سے ۲۰/سال پہلے اس کا اعتراف کیا گیا تھا کہ ترکی میں دینی رجحان کے پیدا کرنے میں ان مصنّفین کا بڑا حصہ ہے۔

۱۹۹۶ء میں جب عالمی رابطہ ادب اسلامی کا جلسہ استنبول میں منعقد ہوا تو اس وقت رجب طیب اردغان استنبول کے میئر تھے، استنبول کارپوریشن کے مغربی حصہ میں سمندر کے کنارے بنے ہوئے کشادہ اور خوبصورت

ہال میں رابطہ کے ارکان کو ظہرانہ دیا گیا، خیر مقدمی تقریر کے دوران ہی رجب طیب اردغان بوسینیا کے دورہ سے براہِ راست ایئرپورٹ سے جلسہ میں آگئے، انہوں نے حضرت مولاناؒ کے استقبال میں جو خیر مقدمی کلمات کہے، اس میں انہوں نے اعتراف کیا کہ حضرت مولاناؒ کی کتابوں نے نئی نسل کو بہت متاثر کیا ہے، اپنے فرزند کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ جب سے اس نے حضرت مولاناؒ کی کتاب قصص النبیین پڑھی ہے، ان سے ملنے کا اشتیاق تھا، آج وہ حضرت مولاناؒ کو اپنے یہاں پاکر اپنی قسمت پر ناز کر رہا ہے۔

رجب طیب اردغان کی بے مثال کامیابی کے اسباب اور پس منظر میں اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ ملحد اور بے دین بلکہ دین دشمن ہونے کے باوجود نقشبندی مشائخ نے اپنی سرگرمیوں کا دائرہ بڑھادیا، ان سے مربوط ترک تاجروں نے بڑے منظم اور منصوبہ بند انداز میں ترکی کے بڑے بڑے شہروں میں اسلامی ہوسٹلز قائم کیے جن کا سلسلہ آج بھی قائم ہے، اردغان کی حکومت خواہ مرکزی ہو یا صوبائی، ان ہی سے عبارت ہے، ایک بڑی تعداد مساجد کے ائمہ اور حفاظ کی ہے، اردغان کی پارٹی نے جن شہروں میں کارپوریشنز اور میونسپلٹی کے ذمہ دار مقرر کیے ہیں، ان کی نگرانی ائمہ مساجد نے لے رکھی ہے، جو ان کے کاموں کا جائزہ لے کر سہ ماہی رپورٹ براہِ راست اردغان کو بھیجتے رہتے ہیں، حالیہ انتخابات سے ایک سال پہلے اردغان کو جو رپورٹ موصول ہوئی، ان سے معلوم ہوا کہ یہ میونسپلٹی اور کارپوریشنوں کے ذمہ دار اپنے کاموں میں کوتاہی برت رہے ہیں، جس کی وجہ سے پارٹی کی شہرت خراب ہورہی ہے، اور حزب مخالف کو فائدہ ہورہا ہے، اردغان نے ہنگامی طور پر ان ذمہ داروں سے مطالبہ کیا کہ اپنے عہدوں سے مستعفی ہوجائیں، ان کی جگہ ایسے لوگوں کو متعین کردیا جنہوں نے عوامی شکایات کا فوری طور پر ازالہ کردیا، اس کی بنا پر اردغان کی پارٹی کا گراف بلند ہوگیا، اردغان نے فوجی بغاوت کے بعد ملک گیر پیانے پر دورے کیے، عوام و خواص سے براہِ راست رابطہ استوار کیا، اور ان کے مسائل ومشکلات سے خود واقفیت حاصل کرکے ان کو فوری طور پر حل کردیا، فوجی بغاوت کے ذمہ داروں کو انفرادی طور پر تو سزادی لیکن ان کے خاندان والوں کو پہلے سے زیادہ سہولتیں فراہم کی گئیں، جن کا خوشگوار اثر پڑا، چونکہ اردغان درمیانی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے وہ اقتصادی سرگرمیوں پر براہِ راست نظر رکھتے ہیں، اور ماہرین کو ان کی غلطیوں پر ٹوکتے رہتے ہیں، اردغان ایسے رہنما ہیں جن کو ملکی تجارت سے لے کر سیاحت، اقتصادیات سے لے کر ثقافت اور دفاع سے لے کر ملکی امن و امان اور ان تمام شعبوں کے اعداد وشمار پر گہری نظر ہے، ملک میں زرِ مبادلہ کے ذخائر اور ملکی کرنسی کی قدر وقیمت اور اقتصادی ترقی کے تمام پہلوؤں اور اعداد وشمار کا انگلیوں پر حساب رکھتے ہیں، اور ماہرین کو مشکلات کا حل بھی بتاتے ہیں، اردغان نے جب شام میں فوجی آپریشن شروع کرنے کا اعلان کیا تو اپوزیشن جماعتوں کے تمام سیاستداں اس بات پر متفق تھے کہ اردغان کو منہ کی کھانی پڑے گی، اور ان کے زوال کا آغاز ہوجائے گا، لیکن اردغان نے بلا سوچے سمجھے یہ آپریشن شروع نہیں کیا تھا، امریکی حکومت کی وارننگ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ترک فوجوں نے منصوبہ بند طریقے سے اپنے حملے جاری رکھے تھے، اور شامی سرحد پر کامیابی حاصل کرکے دہشت گردی کے واقعات کا خاتمہ کردیا، قبل از وقت انتخابات کے اعلان سے یہ اندیشہ ہورہا تھا کہ استعماری طاقتیں خود کش بم دھماکے کرکے ملک میں انتشار پیدا کردیں گی، لیکن ایسا نہیں ہوا، ملک میں پہلے سے کہیں زیادہ امان ہوگیا، جس کی وجہ سے غیر ملکی سرمایہ کاری میں رکارڈ حد تک اضافہ ہوا، جس کے ملکی اقتصادیات پر مثبت اثرات ہوئے، ترکی نے گذشتہ سال ساڑھے سات فیصدی کی شرح سے ترقی کرتے ہوئے آئی ایم ایف بینک اور قرضہ جات کی درجہ بندی کرنے والے تمام بین الاقوامی اداروں کے تخمینوں کو غلط ثابت کردیا، ان تمام حالات کی بنا پر اردگان نے قبل از وقت انتخابات منعقد کرنے کا اعلان کردیا، اور ترکی ہی نہیں تمام جمہوری ملکوں کی تاریخ میں ۸۸/فیصد ووٹنگ ہوئی جو ایک رکارڈ ہے، اس بار بھی اردغان کی پارٹی کو ساڑھے باون فیصدی سے زیادہ ووٹ مل گئے جو ایک تاریخ ساز کامیابی ہے، اس لیے بھی کہ پہلی بار ترک عوام نے صدارتی اور پارلیمانی نظام کو منظوری دی ہے۔

مغرب کی پریشانی یہ ہے کہ ستر سال تک اس نے جو محنت کی تھی، اس پر پانی پھر گیا، ۲۴/جون کو مغربی میڈیا کی ایک فوج تھی جس

نے ترکی کے تمام بڑے شہروں کے ساتھ دیہاتوں میں اپنے ڈیرے ڈال دیے ہیں، اور ۲۴؍گھنٹے رپورٹنگ میں عیب ہی عیب ڈھونڈتی رہی، امریکی انتظامیہ نے ان انتخابات کو ہر طرح ناکام بنانے کے لیے خلیجی ملکوں کو بھی شریک کرلیا، مصری فراعنہ تو پہلے ہی سے تیار بیٹھے تھے، فاکس نیوز ڈاٹ کام امریکہ کا بڑا میڈیا گھرانہ ہے، یہ دنیا کے ان چھ میڈیا گھرانوں میں شامل ہے جن کا تسلط دنیا کے نوے فیصدی میڈیا پر براہِ راست تسلیم کیا جاتا ہے، فاکس نیوز کو ترکی میں فوجی بغاوت سے سب سے زیادہ صدمہ پہونچا تھا، اس کے فوجی تجزیہ نگار رالف پیٹرس نے فوجی بغاوت کی ناکامی پر اپنے بغض وعناد کا بخار یہ کہہ کر نکالا تھا کہ: ''جمعہ کی رات میں فوجی بغاوت کے ناکام ہونے کے ساتھ ہی ترک حکومت کو اسلام کی طرف لے جانے سے روکنے اور ترک معاشرہ کو تاریکی سے نکالنے کی آخری امید بھی ختم ہوگئی''۔ اس انتخاب نے پورے مغربی میڈیا کی کیفیت کو ''بُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ'' کے قرآنی تعبیر سے ادا کیا جاسکتا ہے، افسوس ہے کہ ہندوستانی میڈیا کو بھی یورپ کی طرح سانپ سونگھ گیا، اس میں تعجب کی بات نہیں کہ وہ مغرب ہی کے نقش قدم پر ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا رجب طیب اردغان اس کامیابی پر مسرور ومست ہوکر بیٹھ جائیں گے، ایسا ناممکن ہے، اس لیے کہ ان کا اصل مزاج اور ذہن دعوتی ہے، تاریخ کا انہوں نے گہرا مطالعہ کیا ہے، اسی کے ساتھ ان کی پختہ دینی تربیت اور مغربی فکر، فلسفہ سے گہری واقفیت اور اسلامی تاریخ میں ترکی کے کردار پر بھی ان کی نظر ہے، یورپ نے جو سلوک مسلمانوں خصوصاً ترکوں کے ساتھ کیا ہے، وہ ناقابل فراموش ہے، ان کے دل ودماغ پر یورپ کا فکری اور تہذیبی تسلط کابوس کی طرح چھایا ہوا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسطنطنیہ کی فتح کی جو بشارت دی تھی، اس کو حاصل کرنے کی جدوجہد کا آغاز میزبانِ عالم کے میزبان سیدنا ابوایوب انصاریؓ کی زندگی ہی میں شروع ہوگیا تھا، صدیوں کے بعد محمد الفاتح نے آہنی زنجیروں میں جکڑے ابنائے باسفورس پر قبضہ کرکے بازنطینی سلطنت کے اس مضبوط قلعہ قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا تھا، یورپ نے اپنے خاص ایجنٹ کمال اتاترک کے ذریعہ یورپ کے اس بند دروازے کو اپنی فکر وتہذیب کے لیے چوپٹ کھول دیا، اب ایک صدی کے بعد اردغان جیسے جیالے نے محمد الفاتح کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یورپ کی فکری اور تہذیبی زنجیروں کو توڑنے کا رادہ کرلیا ہے، لیکن ان کی راہ میں بنیادی رکاوٹ وہ عرب حکمراں ہیں جو کسی طرح نہیں چاہتے کہ عثمانی قیادت پھر اپنے ہاتھ پاؤں پھیلائے اور اسلامی دنیا کی ایک متحدہ قیادت کی صورت اختیار کرلے، لیکن مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جب بھی ترکی کے دوروں سے واپس ہوتے تھے، ان کی امیدوں کے چراغ کی لو اور تیز ہوجاتی تھی، وہ شکوہِ ترکمانی کی دوبارہ واپسی پر سو فیصدی یقین رکھتے تھے، اور ''وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَحِیْمٌ'' کو دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے، اور فرماتے تھے: ''ترک قوم کو جو صفات دوسری قوموں سے ممتاز کرتی ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں: صدیوں تک اسلام کا پرچم بلند رکھا، حرمین شریفین کی خدمت اور اس سے گہرا تعلق، حب رسولؐ، دینی غیرت وحمیت، فطرۃً مضبوط کیرکٹر، تشخص اور حمیت کی حامل قوم، پورے طور پر تبدیل نہیں ہوسکی، دولت ایمان کی قدر اور مسلمانوں سے محبت اور شرافت''۔ [ملاحظہ ہو: دو ہفتے ترکی میں، کاروان زندگی: ۱-۶ حصے، شرق اوسط کی ڈائری، اور مکاتیب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، جلد اول]

قسطنطنیہ تنہا وہ شہر ہے جس کی فتح کی خوش خبری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی، فرمایا: ''لتفتحن القسطنطينية، فلنعم الأمير أميرها، ولنعم الجيش ذلك الجيش'' (تم قسطنطنیہ ضرور فتح کروگے، تو اس کا امیر خوش نصیب اور اس کی فوج بھی خوش قسمت ہوگی)۔

علامہ اقبال نے مندرجہ ذیل اشعار اس شہر آرزو کے بارے میں کہے تھے ؎

خطۂ قسطنطنیہ، یعنی قیصر کا دیار
مہدی امت کی سطوت کا نشانِ پائیدار
صورتِ خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے
آستانِ مسند آرائے شہِ لولاک ہے
نکہتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
تربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا
اے مسلماں! ملت اسلام کا دل ہے یہ شہر
سیکڑوں صدیوں کی کشت وخوں کا حاصل ہے یہ شہر

☆☆☆☆☆

تذکیر ودعوت

عقیدۂ توحید- قرآنی بیانات کی روشنی میں

مولانا محمد عارف سنبھلی ندویؒ

اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، اپنی ذات و صفات یا اپنی حکومت میں شریک اور ساجھی بنانے کے لیے پیدا نہیں فرمایا ہے، اسی لیے وہ قرآن مجید میں تمام انسانوں کے حق میں (جن میں انبیاء علیہم السلام کی ہستیاں بھی شامل ہیں) اور تمام فرشتوں کے حق میں بھی عبد یعنی بندے اور غلام کا لفظ استعمال فرماتا ہے، شریک اور ساجھی کا لفظ استعمال نہیں فرماتا، چنانچہ تمام جن وانس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ" [الذاریات] (اور میں نے تمام جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت اور بندگی کے لیے پیدا فرمایا ہے)۔

ظاہر ہے انسانوں میں انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں، پھر یہ بات نہیں کہ بندوں کو اعلیٰ مراتب عطا کیے جانے یا ان کی انتہائی عبادت و ریاضت کے باعث خدائی صفات یا خدائی اختیارات عطا کر دیے جاتے ہوں، بلکہ تمام بندے قیامت تک بندے ہی رہنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا" [مریم] (آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی ہیں سارے کے سارے (بروز قیامت) رحمٰن کے حضور بندے ہونے کی حالت میں حاضر ہونے والے ہیں)۔

فقط ان دو ہی آیتوں سے یہ حقیقت پوری طرح ظاہر ہوتی ہے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی غلام ہے، خدائی منصب و اختیار کسی کو بھی عطا نہیں کیا گیا ہے، اور ساری مخلوق کو پیدا کرنے اور اس پر حکومت کرنے میں اپنی یکتائی کو اللہ نے ان صریح الفاظ میں بیان فرمایا ہے: "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" [مریم] (سن لو! صرف اسی کا کام ہے پیدا کرنا، اور اسی کا حق ہے حکومت کرنا)۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا: "مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا" [کھف] (اور ان کا (یعنی زمین وآسمان والوں کا) اللہ کے سوا کوئی کارساز نہیں اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا)۔

یہاں تک نقل ہونے والی آیتوں سے پوری طرح یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تمام جن وانس اور تمام فرشتے محض اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے اور غلامی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اور بروز قیامت بھی بندے اور غلام ہونے کی حالت میں اللہ کے حضور میں حاضر ہوں گے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکومت میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا، انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کے یہاں جو خصوصی تقرب اور محبوبیت کا مقام حاصل ہے وہ قرآن اور حدیث کو سمجھ کر پڑھنے والے کسی مسلمان سے مخفی نہیں، پس بالفرض اگر کسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ خدائی اختیار میں اپنا شریک بنانے کا فیصلہ فرماتا تو وہ فیصلہ انبیاء ہی کے حق میں ہوتا، لیکن قرآن کریم کے بکثرت بیانات اس کی کھلی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خدائی کا کوئی اختیار انبیاء کو بھی نہیں عطا فرمایا، اور خدائی کا اختیار تو بہت دور کی بات ہے، قرآن تو یہ بھی بتلاتا ہے کہ بعض اوقات انبیاء کی دعائیں بھی اللہ تعالیٰ بروقت قبول نہیں فرماتا (یقیناً ان کے بروقت قبول نہ فرمانے میں کوئی بڑی مصلحت ہی ہوتی ہے)۔

چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق میں سب سے افضل و برتر مقام پر فائز ہیں، اور قرآن مجید کے بیان کردہ ایسے پانچ واقعات پیش کرتے ہیں جن کا آپ ہی کی ذات سے تعلق ہے، جو آیتیں اس سلسلہ میں پیش کی جائیں گی، ان کی تفسیر کے سلسلہ میں مفسرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، یعنی مفسرین کے نزدیک ان کا مفہوم و مراد بالکل واضح اور قطعی ہے، قرآن مجید کے ان بیانات کو بغور ملاحظہ فرمائیں:

۱- بطور طعن وطنز مشرکین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کرتے تھے کہ ایمان نہ لانے کی صورت میں جس عذاب کی دھمکی آپ ہمیں دیا کرتے ہیں، وہ عذاب ہم پر لے آیئے، اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس مطالبہ کا جو جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلوایا، وہ یہ تھا:

"قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ، قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ".

[انعام] (ان سے کہو) کہ میں تو اپنے رب کے پاس سے آئی ہوئی دلیل پر قائم ہوں اور تم نے اسے جھٹلایا ہے (اور) جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو وہ میرے قبضہ میں نہیں، حکم تو بس اللہ کا ہی چلتا ہے، وہ حق فرماتا ہے اور سب سے

بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، کہہ دو! کہ اگر میرے پاس وہ عذاب ہوتا جس کی تم جلدی مچا رہے ہو، تو مجھ میں تم میں (کب کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو)۔

ان آیتوں کا مضمون بالکل صریح ہے، ان میں اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ ہی سے کافروں کو یہ جواب دلوایا کہ عذاب کا نازل کرنا میرے قبضہ میں نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار کی چیز ہے، اور اگر عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں ہوتا تو میں کب کا فیصلہ کر چکا ہوتا۔

۲-احد کی جنگ میں دشمنوں نے شہید ہونے والے صحابہ کرام کی ناک، کان وغیرہ اعضاء بدن کاٹ کر جسم سے جدا کر دیئے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید زخم آئے، شہدائے کرام کا یہ منظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت ہی اذیت ناک تھا، آپ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی کافر سرداروں کے حق میں ان کا نام لے لے کر بددعا فرمائی، لیکن اللہ تعالیٰ معاف کر کے ایمان وہدایت کی عظیم نعمت سے انہیں نوازنے کا فیصلہ کر چکا تھا، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول نہیں فرمائی، اس موقع پر ارشاد خداوندی نازل ہوا: "لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اَوْ یُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ ظَالِمُوْنَ، وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ". [آل عمران] (اس معاملہ میں تمہارا کوئی اختیار نہیں یا تو اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے گا، یا ان کو عذاب دے گا کیوں کہ وہ ظالم ہیں، اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، جس کو چاہے معاف فرمائے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے)۔

معاملہ کی سنگینی اور نزاکت کو تصور کیجیے، اللہ کے سب سے مقرب ومحبوب نبی کا قلب مبارک غم سے لبریز ہے، آپ ظالموں کے حق میں بددعا فرماتے ہیں، لیکن رب العالمین کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ تمہارا ان لوگوں کے معاملہ میں کوئی دخل نہیں، اللہ تعالیٰ جو چاہے گا ان کے حق میں فیصلہ فرمائے گا اور پھر سب کو معاف فرما کر نعمت ایمان سے نواز دیا جاتا ہے۔

(اس تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب التفسیر میں اس آیت کی تفسیر)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ابوطالب، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہائی محبت کرتے تھے، اسی لیے ایمان نہ لانے کے باوجود ساری عمر آپ کی پرزور حمایت کرتے رہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ایمان لے آنے کی انتہائی آرزو تھی، اسی لئے آپ آخری وقت تک انہیں پوری دلسوزی کی ساتھ تبلیغ فرماتے رہے، مگر وہ ایمان نہ لائے اور بحالت کفر ہی دنیا سے چلے گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چچا کے ایمان سے محروم رہنے کا جس قدر رنج ہوا ہوگا بالکل ظاہر ہے، اس موقع پر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ" [قصص] (تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)۔

بخاری اور مسلم میں صریح روایتیں موجود ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئیں، یہاں بہت ہی سنجیدگی کے ساتھ سوچنے کی بات ہے کہ جو ہستی ساری مخلوق سے افضل اور اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو، اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے حقیقی چچا کی دل کی حالت بدل دینے کا بھی اختیار عطا نہیں کیا تھا، تو پھر یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کو سارے عالم میں تصرف کا یعنی ہر طرح کا ردوبدل اور بناؤ بگاڑ کا اختیار دیدیا ہے۔

۳-جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے، وہ مختلف قبیلوں اور برادریوں سے تعلق رکھتے تھے، اور ان میں مدتوں سے شدید دشمنیاں چلی آ رہی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ملا دیے، اس واقعہ کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: "وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ" [الأنفال] (اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں میل پیدا کر دیا، اگر تم زمین میں جو کچھ ہے وہ سب بھی خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دل نہ ملا سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان میں الفت پیدا کر دی، بلاشبہ وہ بہت ہی قوت والا اور بڑی حکمت والا ہے)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ دلوں کو عداوت سے پاک کر کے انہیں باہمی الفت ومحبت سے بھر دینا یہ فقط اللہ تعالیٰ کے اختیار کی چیز ہے، یہ اختیار کائنات کی سب سے معظم ومحترم ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا نہیں کیا گیا۔

۴-رسول اللہ سے مشرکین نے اصحاب کہف کے بارے میں سوال کیا، آپؐ نے وحی نازل ہونے کی امید پر کل بتلانے کا وعدہ فرما لیا، عادت مبارکہ تھی کہ آپؐ جب بھی کسی بات کا وعدہ فرماتے

تو ان شاء اللہ ضرور کہتے، لیکن اس بار آپؐ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے، اور اللہ تعالیٰ کو توحید کا سبق دینا منظور تھا، اس لیے ۱۴؍ یا ۱۵؍ دن تک وحی نازل نہیں فرمائی، اور بعد میں جب نازل فرمائی تو اس میں ان شاء اللہ کہنے کا بہت تاکیدی حکم بھی فرمایا، ارشاد ہوا: "وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ" [کھف] (اور ہر گز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل کردوں گا، بلکہ یوں کہنا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تب میں کل یہ کام کردوں گا)۔

حالات کی نزاکت کا تصور کیجیے، اللہ تعالیٰ کے صادق وامین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بات کا کل بتلانے کا وعدہ فرمایا ہے، دشمنوں کو اس پر پروپیگنڈے کا موقع ہاتھ آرہا ہے کہ دیکھو! نبی نے وعدہ کیا اور وقت پر پورا نہیں کیا، لیکن اللہ تعالیٰ کو توحید کا درس دینا منظور ہے، وہ دکھانا چاہتا ہے کہ ہم اگر نہ چاہیں تو ہمارے رسول بھی نہ خود سے کوئی کام کرسکتے ہیں اور نہ چھپی بات ہمارے بتائے بغیر جان سکتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکیدی حکم دیا گیا کہ آئندہ ہر گز یوں نہ کہنا: میں فلاں کام کل کردوں گا، بلکہ یوں کہنا اگر اللہ نے چاہا تب فلاں کام کردوں گا۔

یہاں تک قرآن مجید سے پانچ ایسے واقعات نقل کیے گئے جو مخلوق میں سب سے افضل واعلیٰ ہستی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، قرآن کے ان بیانات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی کے تعلق سے جو باتیں معلوم ہوئیں وہ یہ ہیں:

۱- یہ کہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنا آپؐ کے اختیار میں نہیں تھا۔

۲- یہ کہ نبی کی بھی ہر دعا لازمی طور پر قبول نہیں ہوتی، قبول ہونے، نہ ہونے کا انحصار اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے۔

۳- ابو طالب کے واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کے دل کو کفر سے پاک کرکے اس میں ہدایت اور ایمان داخل نہیں کردیتے یعنی دلوں پر تصرف کرنے کی قدرت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہیں کی گئی تھی۔

۴- اور اصحاب کہف والے واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ وحی الٰہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت کے تابع نہیں تھی، کہ جب آپ چاہتے اللہ تعالیٰ سے وحی نازل کرالیتے، اور نہ خود اپنے طور پر غیب کی کوئی بات ہی آپ دریافت فرما سکتے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جس بات کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دیتا بس وہی بات آپ کو معلوم ہوسکتی تھی۔

قرآن مجید سے دیگر انبیاء کرام کے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے تعلق سے بہت سے ایسے واقعات اور بیانات پیش کیے جاسکتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان مقدس ومحترم ہستیوں کو نہ اللہ تعالیٰ نے عالم میں تصرف کی قدرت عطا فرمائی تھی کہ وہ انقلاب چاہتے دنیا میں برپا کردیتے، اور نہ لوگوں کے دلوں پر تصرف کا اختیار ہی ان حضرات کو دیا گیا تھا کہ جس کو چاہتے ہدایت دیتے اور جسے چاہتے ایمان وہدایت سے محروم رکھتے، نیز یہ حقیقت بھی قرآن مجید کے بیان سے واضح ہوگئی کہ انبیاء علیہم السلام دعائیں مانگتے ہیں تو (اکثر وبیشتر تو ان کی دعائیں قبول ہی ہوتی ہیں) لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول نہیں بھی کرتا ہے اور یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی کسی خاص حکمت اور مصلحت ہی کے تحت ہوتا ہے۔

عقیدت مندوں نے اولیاء اللہ کی نسبت کتابوں میں لکھ رکھا ہے کہ ساری کائنات یا ساری دنیا پر انہیں تصرف کی طاقت عطا کردی گئی ہے، وہ اگر چاہیں تو آسمان کو زمین پر گرا سکتے ہیں اور یہ کہ انہیں دلوں پر حکومت عطا کی جاتی ہے، جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں ہدایت سے محروم رکھتے ہیں، لیکن بہت ہی قابل لحاظ پہلو یہ ہے کہ سید الاولین والآخرین کی ہستی کو بھی جب اللہ تعالیٰ نے نہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے کی طاقت عطا کی، نہ لوگوں کو کفر سے پاک کرکے انہیں ایمان وہدایت سے بھردینے کی قدرت ہی آپ کو عطا فرمائی، تو پھر آپ کے امتیوں میں خواہ کوئی تقویٰ وطہارت کے کتنے بھی اونچے مقام پر فائز کیوں نہ ہوجائے، اسے یہ چیزیں کیسے عطا ہوسکتی ہیں؟ پس اس طرح کی روایتیں محض قصے اور کہانی کے درجے ہی کی چیزیں ہیں اور اسی لئے دینی لحاظ سے قطعاً نا قابل اعتبار اور نا قابل قبول بھی ہیں۔

انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامتیں

کچھ لوگوں کو انبیاء کرام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات کا قرآن مجید اور حدیث شریف میں بیان پڑھ کر غور وتدبر کی کمی کے باعث یہ غلط فہمی ہوگئی کہ ان حضرات کو خدائی قدرت واختیار عطا کردیا جاتا ہے، جس سے کام لے وہ عالم میں تصرف کیا کرتے ہیں، اس سلسلہ میں اچھی طرح یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ معجزوں اور کرامتوں کی نسبت کی تو جاتی ہے ان ہستیوں ہی کی جانب، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آتے ہیں، انبیاء اور اولیاء کے حکم سے وجود میں نہیں آتے، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے خواب دیکھنے کی نسبت آدمی کی طرف کی جاتی ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے خواب دیکھا، حالاں کہ خواب دیکھنے نہ دیکھنے کا کوئی اختیار آدمی کو نہیں دیا گیا ہے اسی لیے کبھی چاہت کے باوجود خواب دکھائی نہیں دیتا،..................

بقیہ صفحہ ۳۱؍ پر

روداد سفر

مدارس کے شہر چاٹگام میں

● .... محمود حسن حسنی ندوی

بنگلہ دیش کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مشرق سے تعبیر کیا ہے، جو ان کی کتاب 'تحفۂ مشرق' سے واضح ہوتا ہے، جہاں ۹-۱۹/مارچ ۱۹۸۴ء میں ان کی بصیرت ایمانی، مطالعۂ قرآنی اور حقیقت پسندی سے بھرپور دانشور اور ذمہ دار طبقہ کے سامنے خطابات ہوئے تھے، ان میں مدارس کے شہر چاٹگام میں جامعہ اسلامیہ پٹیہ کے خطاب سے وہاں کے دعوتی سفر کا آغاز ہوا تھا، اور خطاب کیا تھا کہ: ''دنیا کی بیسیوں قوموں نے خدا کے سوا بت بنائے، کسی نے قومیت کو بنایا، کسی نے ملک کو بت بنایا ہے، کسی نے اپنے آباء واجداد کہانیوں اور تاریخ کو بت بنالیا ہے، اور کسی نے رنگ و نسل کو بت بنالیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان تمام بتوں سے محفوظ رکھا، اور ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہم ہمیشہ اسلام پر فخر کریں، اور اسلام کے کسی چیز کو لالچ اور رشک کی نظر سے نہ دیکھیں کہ کاش ہم کو یہ چیز ملتی''۔

[تحفۂ مشرق، ص/۱۸]

ہم لوگوں کا سفر بنگلہ دیش کا آغاز اگرچہ پٹیہ سے نہیں ہوا مگر چاٹگام کے مدارس میں پٹیہ کے معروف وقدیم مدرسہ جامعہ اسلامیہ پٹیہ سے ہوا، اور وہاں ایک شب گذاری، مولانا سید بلال حسنی ندوی نے طلبہ سے اپنے عمومی خطاب میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس فکر ودرد کو دہرایا، جو یہاں انہوں نے آج سے ۳۴/سال پہلے رکھا تھا، وہ ڈھاکہ، کوکس بازار، مومن شاہی، اور سلہٹ بھی گئے۔

چاٹگام برصغیر کی چند بڑی اور مشہور بندرگاہ شہروں میں ہے، جو اپنی تجارتی حیثیت سے بھی شہرت رکھتا ہے، لیکن ایک دوسری حیثیت سے وہ اپنی بندرگاہ شہروں میں امتیازی شان کا حامل شہر ہے، جہاں ہاٹ ہزاری کا مدرسہ بنگال کا دارالعلوم دیوبند کہا جاتا ہے، مگر دورۂ حدیث میں طلبہ کی تعداد کے لحاظ سے اس سے بڑھ کر ہے، جہاں ڈھائی ہزار طلبہ صرف دورۂ حدیث میں ہیں، جب کہ دارالعلوم دیوبند میں اس سے کم ہیں، لیکن دارالعلوم دیوبند کا وقف کا پہلو شامل کیا جاتا ہے تو اس کی ہمسری نہ ہوگی، اس کی نسبت دارالعلوم دیوبند سے علمی، فکری، روحانی، دینی، مسلکی، مشربی سبھی حیثیت سے ہے، اور دارالعلوم دیوبند کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہنے والا ادارہ ہے، اس کے مہتمم وشیخ الحدیث مولانا احمد شفیع زید مجدہ ہیں، جو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے نہ صرف شاگرد ومسترشد بلکہ مجاز بیعت وارشاد اور خلیفہ بھی ہیں، اچھی عمر ہے، چند لمحوں کی ملاقات نے ان کا گرویدہ کیا اور یہ جرأت کرائی کہ ان کے توسط سے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے سلسلۂ اجازت سے بھی ازراہِ کرم نوازا، اور دعا کرائی، پھر وہ درجہ تشریف لے گئے، درجہ کھچا کھچ بھرا تھا، ان کے تشریف لاتے ہی درجہ بقعۂ نور بن گیا، اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا سے ہال گونجنے لگا، باہر سے ہی مگر کچھ لمحات اس کے انوار سے محظوظ ہونے کا موقعہ ملا۔

جامعہ اسلامیہ پٹیہ میں ایک رات

قدیم نصاب تعلیم کا ایک ادارہ جامعہ اسلامیہ پٹیہ بھی ہے، ایک شب یہیں گذاری، پہلے مولانا سلطان ذوق ندوی اسی ادارہ میں استاد تھے، اور یہاں اصلاح نصاب و نظام تعلیم کی کوشش کر چکے تھے، جب ان کو محسوس ہوا کہ ان کی اس فکر سے سب اتفاق نہیں کریں گے تو الگ ادارے کے قیام کے ذریعہ اس فکر کو تقویت پہونچائی، مولانا ابوالرضاء ندوی بھی یہاں تعلیم حاصل کر چکے ہیں، وہ بنگلہ دیش پارلیمنٹ کے ممبر بھی ہیں، اور سربراہِ اعلیٰ سے اچھے روابط بنا کر بڑی اصلاحات لا رہے ہیں، یہاں کے طلبۂ دورۂ حدیث کے سامنے مولانا بلال حسنی ندوی نے درس حدیث دیا، اور اپنی اجازت سے نوازا بھی، یہاں بھی بڑی اپنائیت کا معاملہ کیا گیا، اس تعلیمی ادارہ کو محی السنہ مولانا ابرارالحق حقی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک گونہ یہ نسبت حاصل ہے کہ ان کے تربیت یافتہ اور بعض اجازت یافتہ حضرات بعض اہم عہدوں پر رہے ہیں۔

جامعہ اسلامیہ ہاٹ ہزاری

ہندوستان، پاکستان، جنوبی افریقہ، برطانیہ، بلاد عربیہ کے دینی مدارس وجامعات کا جائزہ لیا جائے تو ہاٹ ہزاری کی جامعہ اس اعتبار سے

سب سے فائق نظر آئے گی کہ عالمیت کے آخری سال دورۂ حدیث میں طلبہ کی تعداد لگ بھگ ڈھائی ہزار ہے جو کبھی اس سے بڑھ جاتی ہے، ملک کی دینی فضا پر یہ ادارہ بڑا اثر انداز ہے، اور تمام دینی اداروں میں اس کو مرکزیت حاصل ہے۔

اجازت حدیث کی ایک نورانی نشست

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے شاگردوں میں جو چند حضرات بقید حیات ہیں، اور ان میں بھی جن کو حدیث شریف سے خصوصی اشتغال ہے، مولانا احمد شفیع چاٹگام، مولانا محمد ابراہیم دیولہ مرکز نظام الدین اور مولانا محمد برہان الدین سنبھلی کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، ان میں مولانا احمد شفیع چاٹگامی زیادہ قدیم اور معمر ہیں، ۱۹۵۱ء میں انہوں نے حضرت مدنیؒ سے بخاری شریف پڑھی تھی، اور اس بات کا اہتمام کیا تھا کہ ایک حدیث بھی نہ چھوٹے، اور وضو وطہارت وغیرہ کا غیر معمولی اہتمام کیا تھا، مزید حضرت مدنیؒ سے بیعت وسلوک میں اجازت وخلافت بھی انہیں حاصل ہے، ہاٹ ہزاری کے مدرسہ میں وہ مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں جہاں دورۂ حدیث میں لگ بھگ ڈھائی ہزار طلبہ پڑھتے ہیں، ان کے درس کی ایک جھلک دیکھی تو نگاہ وہیں جم گئی، چونکہ اتنا وقت نہیں تھا کہ درس حدیث میں باقاعدہ شرکت کی جاتی، ان کی قیام گاہ پر حاضری دے کر استدعا کی گئی کہ حضرت کے سامنے پہلی اور آخری حدیث مولانا بلال حسنی ندوی پڑھ دیں، اور حضرت اس تقریر فرمادیں، چنانچہ حضرت بخوشی اس پر تیار ہوگئے، اور اسی کے مطابق عمل ہوا، پھر اجازت حدیث سے ہم سبھی رفقاء کو نوازا، اور سبھی کا ان کے سامنے تعارف ہوا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی نسبت سے تکریم فرمائی، اور حضرت مولاناؒ کی یہاں تشریف آوری کا ذکر کیا۔

مولانا احمد شفیع چاٹگامی کا درس

مولانا احمد شفیع مدظلہ نے اس مناسبت سے جو تقریر فرمائی وہ حسب ذیل ہے:

''ہمارے اعمال کی قبولیت اور عدم قبولیت نیت پر ہے: ''فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ'' دونوں حدیث کا ایک دوسرے سے گہرا ربط ہے، اور یہ دونوں حدیثیں یہ بتاتی ہیں کہ اس وقت ہمارا عمل مقبول ہوگا جب ہمارے عمل کے اندر خلوص ہوگا، ''انما الاعمال بالنية......'' والی حدیث پہلی حدیث ہے، اور ''کلمتان خفیفتان......'' والی حدیث آخری حدیث ہے، آخری حدیث کے اندر وزن اعمال امور دینیہ کے اندر ہے، اور پہلی حدیث کے اندر دنیوی امور میں بھی اخلاص، استحضار نیت، للّٰہیت کی طرف توجہ دلا کر دنیوی امور کو بھی دین کے تابع بنانے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، پھر کتاب الایمان اول کتاب ہے، اور کتاب التوحید آخری کتاب ہے، اور باب الوحی پہلا باب، اور آخری باب وزن اعمال کا ہے، ان سب میں جو مناسبت اور پیغام ہے، وہ اخلاص ہے کہ نیت خالص سے عمل مقبول ہوگا، ترجمۃ الباب اور حدیث ان سب میں اسی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، عمل کے اندر عامل کے خلوص سے میزان جھک جائے گا''۔

آخر میں فرمایا کہ: ''میں اجازت دیتا ہوں جیسے میرے شیخ، شیخ العرب والعجم (حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ) نے اجازت دی، اور غیر صحاح کی اجازت بھی دی، میں بھی آپ لوگوں کو اجازت دیتا ہوں، پھر دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور حدیث شریف کا درس دینے کی ان حضرات کو توفیق فرمائے، آمین۔

مولانا سید بلال حسنی ندوی، مولانا سید عمیر حسینی ندوی، مولانا اصطفاء الحسن کاندھلوی، مولوی نور محمد ندوی اور راقم الحروف کے علاوہ مولانا عبد الرزاق ندوی وغیرہ نے یہ شرف حاصل کی اور سند حاصل کی۔

قبل ازیں مولانا سید بلال حسنی ندوی نے طلبہ میں خطاب بھی کیا اور مہمانوں کی تکریم میں اچھی باتیں سامنے آئیں، معلوم ہوا کہ دارالعلوم ہاٹ ہزاری کے قسم اللغۃ العربیہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نصاب کی اہم کتاب 'مختارات من ادب العرب' بھی داخل ہے، اور یہ بتایا گیا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ یہاں تشریف لائے تھے، اور فرمایا تھا کہ اس کو تصور سے زیادہ پایا، اور معائنہ بھی لکھا تھا، اس میں بھی اس کا اظہار ہے، مولانا بلال حسنی ندوی نے وفد کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ مدرسہ وہی ہے جس کی نسبت صفۂ نبویؐ سے جڑی ہو، اگر یہ نسبت نہیں تو صرف در ودیوار ہے، میراث نبوی، نسبت نبوی سے ہے، ورنہ کچھ نہیں۔

مدرسة الهدیٰ للبنات

لڑکوں کے دارالعلوم کے شانہ بشانہ بنات کا دارالعلوم مدرسۃ الہدیٰ للبنات کے نام سے ۲۰۰۰ء سے قائم ہے، جہاں سترہ سو طالبات زیر تعلیم ہیں، جن میں گیارہ سو لڑکیاں غیر مقیم ہیں، حفظ کا بھی اچھا انتظام ہے، غیر مسلم بچیاں بھی زیر تعلیم ہیں، جو بدھ مذہب اور ہندومذہب کی ماننے والیاں ہیں، ان میں کئی نے اسلام قبول کیا، مولوی میر ادریس ندوی کے بھائی میر محمد قاسم اس کے ناظم ہیں، اور وہ بھی مدرسہ کے منتظمین میں ہیں اور مدیر بھی، معلوم ہوا کہ مولوی میر ادریس ندوہ میں مفتی مسعود حسن حسنی ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ساتھ تعلیم حاصل کر چکے ہیں، تعلیمی سال جنوری تا دسمبر ہے۔

جامعة المعارف کی زیارت

چاٹگام کا ذکر آئے اور جامعۃ المعارف کا ذکر کیسے رہ جائے، مولانا سلطان ذوق ندوی زید مجدہ نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مشورہ سے اس ادارہ کی داغ بیل ڈالی، ایک بڑا انقلابی اقدام تھا، قدیم نہج کے مدارس تو یہاں بہت ہیں، مگر قدیم و جدید منہج کے جامع تعلیمی نصاب ونظام کے حامل ادارے ناپید، اس ادارہ نے اس کمی کو پورا کیا، یہ بنگلہ دیش بلکہ مشرقی حصہ کا دارالعلوم ندوۃ العلماء ہے، یہاں پہونچ کر اور یہاں کے پروگرام میں شریک ہوکر ایسا محسوس ہوا کہ ہم لوگ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہیں، بانی ادارہ مولانا سلطان ذوق ندوی کی جلسہ میں تشریف آوری کیا تھی، ایسا لگا کہ اس خطہ کی سب سے محترم وبزرگ شخصیت نے قدم رنجہ فرمایا، تقریر میں مہمانوں کو خیر مقدم کہا، جہاں ندوہ کو نسبت اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا پھر آنسو روکے نہیں رکے، ندوہ اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ایسا والہانہ تعلق مولانا کے یہاں نظر آیا، ایک شب یہاں گذاری گئی، اور دوسرے دن صبح فلائٹ سے ڈھاکہ روانگی ہوئی، مولانا ذوق ندوی کے داماد مولانا جسیم الدین ندوی نے ایئر پورٹ آکر رخصت کیا۔

جامعة المعارف کا مؤثر اور یادگار پروگرام

جامعۃ المعارف الاسلامیہ، چاٹگام کے مدارس میں زیادہ قدیم مدرسہ نہیں ہے، بنگلہ دیش میں ایک ہی طرز کے مدارس اور نظام تعلیم کو دیکھتے ہوئے، زمانہ کے حالات اور تبدیلیوں کا خیال رکھ کر زیادہ مؤثر ومفید نظام تعلیم کا نمونہ پیش کرنے کے لیے اس ادارہ کی داغ بیل مولانا سلطان ذوق ندوی نے ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ایماء پر ڈالی، اس لیے کہ یہ کام کسی قدیم ادارہ میں نظام تعلیم ونصاب کی تبدیلی کے طور پر آسان نہ تھا، چنانچہ وہ جامعہ اسلامیہ پٹیہ سے جہاں ۱۸ر سال ان کی مدت تدریس رہی تھی، علاحدگی اختیار کرکے اس کار خیر میں ہمہ تن مصروف ہوگئے، حدیث شریف کی اہم کتابوں کے علاوہ ادب وفکر اسلامی کی کتابیں وہ پوری توجہ سے پڑھاتے ہیں، اور ان کی تعلیم وتربیت سے قدیم صالح اور جدید نافع کے حامل علماء 'خذ ما صفا ودع ما کدر' کے حامل اور 'الی الاسلام من جدید' کے پیغام کے ساتھ میدان تعلیم ودعوت میں اترتے ہیں، چونکہ عرب یونیورسیٹیوں سے اس کا الحاق ہے، اس لیے یہاں کے فارغین وہاں جاکر مزید پختگی حاصل کرتے ہیں، اور فکری وروحانی طور پر ندوۃ العلماء سے ان کی گہری وابستگی ہوتی ہے، المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی کا شعبہ بھی یہاں قائم ہے، جو ندوۃ العلماء کی خصوصیت وامتیاز ہے، یہاں سبھی نے یہ محسوس کیا کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ہی کسی پروگرام میں شرکت ہورہی ہے، مولانا سلطان ذوق ندوی بانی جامعہ بھی مفکر اسلام حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی شفقتوں کو یاد کرکے اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے، اور اپنے وہ تمام مکاتیب بھی حوالہ کیے جن میں انہیں حضرت مولانا مدظلہ نے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا تھا، ان کے نام حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تحریریں ان کے دفتر میں آویزاں تھیں، کہ جن میں انہیں مسلسلات کی اجازت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے حوالہ سے دی ہے، جب کہ اجازت حدیث دینے میں ان کا عمومی معمول اپنے استاد حدیث مولانا حیدر حسن خان ٹونکی کے حوالہ سے دینے کا تھا۔

مولانا سلطان ذوق ندوی کی اگرچہ اب صحت کمزور ہوگئی ہے، مگر وہ اپنی پوری علمی، فکری توانائیوں کے ساتھ سرگرم عمل ہیں، اور ان کے کاموں میں معاون خصوصی ان کے داماد مولانا جسیم الدین ندوی ہیں، انہوں نے ان کی زیر تصنیف سوانحی کتاب ''آپ بیتی'' دکھائی جوان ہی کے قلم سے ہے، اس سے ندوۃ العلماء لکھنؤ،

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور رابطہ ادب اسلامی کے تعلق سے بڑی مفید باتیں آ گئی ہیں۔

ڈھاکہ کا سفر اور لکھنؤ واپسی

ڈھاکہ کا تذکرہ آئے، مولانا شاہ عبدالمتین پیر ڈھالا کانگر ڈھاکہ کا ذکر کیسے رہے، بڑے متبع سنت عالم وبزرگ اور شیخ طریقت ہیں، حضرت مولانا حکیم محمد اختر کے خلیفہ ہیں، اور ان کے ذریعہ علم ومعرفت کا بڑا خیر پھیل رہا ہے، ان کے زیر سرپرستی ایک مدرسہ جامعۃ النور (مرکز الدراسات والاختصاصات العلیا، قائم شدہ: ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء) ہمارے ایک ندوی فاضل مولانا نور عالم ندوی چلا رہے ہیں، جو مصنف بھی ہیں، اور حضرت مولانا محمد یوسف جون پوری علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھی رہے ہیں، اس ادارہ میں اگرچہ آغاز سفر میں جانا ہوا تھا مگر ذکر رہ گیا تھا، تفسیر، ادب عربی اور تدریب معلمین کے اہم شعبے ہیں۔

واپسی میں اگرچہ ٹکریل مرکز تبلیغی جماعت جانے کا ارادہ تھا، مگر وقت نہ تھا، ایئر پورٹ مطار شاہ جلال کے قریب مولانا شرافت اللہ ندوی کے مدرسہ میں اہل تعلق، ندوی فضلاء اور دیگر حضرات جمع ہو گئے تھے، ایک دو اداروں کی سنگ بنیاد کی تقریب بھی قریب میں رکھ دی گئی تھی، ڈھاکہ کے ٹریفک نے بھی مجبور کیا کہ 'القادم یزار' پر ہی عمل ہو، بڑے جذباتی ہو کر سبھی حاضرین نے الوداع کہا، ۲۰ر فروری ۲۰۱۸ء کا دن تھا، کلکتہ میں مولوی خورشید عالم ندوی اور اسد بھائی نے اپنا مہمان بنایا، اور دوسرے دن لکھنؤ روانگی ہوئی۔

☆☆☆☆☆

بقیہ صفحہ ۲۷ر کا..........کبھی بے ارادہ خواب نظر آ جاتا ہے، بالکل یہی حال معجزوں اور کرامتوں کا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے انبیاء واولیاء کو معجزے اور کرامتیں عطا فرماتا ہے نہیں چاہتا تو ان ہستیوں کے ذریعہ ان کا ظہور نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کی مثال

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اس کے ثبوت میں بکثرت آیات واحادیث پیش کی جا سکتی ہیں، لیکن طوالت سے بچنے اور سلسلہ کلام کو مختصر کرنے کی خاطر ہم قرآن مجید کی مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، اگر اسی ایک مثال پر غور کیا جائے تو آگے کسی دلیل کی سرے سے ضرورت ہی باقی نہ رہے گی۔

تمام امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں قرآن مجید سب سے بڑا اور ہمہ وقت زندہ معجزہ ہے، لیکن ہر مسلمان اس حقیقت پر بھی ایمان رکھتا ہے کہ قرآن سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، نبی پاک کا کلام نہیں ہے، مگر چوں کہ قرآن شریف حضور اقدس پر نازل ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان مبارک سے دنیا والوں تک پہنچا بھی، اسی لیے اسے حضور کا معجزہ کہا گیا، بس یہی حال حضور اکرم اور تمام انبیاء کے باقی تمام معجزات کا بھی ہے کہ انہیں پیدا تو اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے، لیکن چوں کہ وہ ظاہر انبیاء کے ذریعہ ہوتے ہیں، اسی لیے انبیاء کی جانب انہیں منسوب کر دیا جاتا ہے، یہی حال کرامت کا بھی ہے کہ وہ محض اللہ کی قدرت سے ہوتی ہے، انسان کے اختیار سے نہیں ہوتی، پس کتابوں میں لکھی ہوئی اس طرح کی باتیں کہ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کرنے یا آسمان کو زمین پر گرانے یا عالم میں تصرف کرنے کا اختیار عطا کیا ہے، یہ محض بے دلیل دعوے ہیں اور ان غلط توہمات کی بنا پر جو عقیدے اختیار کیے جاتے ہیں، محض خراب اور باطل عقیدے ہیں، جن سے ہر مسلمان کو دور ہی دور رہنا چاہیے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیے۔ ☆☆☆

..........بقیہ صفحہ ۳۲ر کا (مولانا محمد غزالی ندویؒ)

ندوہ اور اہل ندوہ سے مولانا مرحوم کو بڑی عقیدت ومحبت تھی، یہاں کے کسی فرد سے لکھنؤ سے باہر ملاقات ہوتی تو ندوہ کے ذمہ داران، اساتذہ اور دارالعلوم کی سرگرمیوں کے بارے میں ضرور استفسار کرتے، ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی آپ کے لیے استاد ہی نہیں بلکہ مرشد ومربی بھی تھے، حضرت والا نے آپ کو بیعت وخلافت کی اجازت سے نوازا تھا، اسی تعلق ومحبت کی بنا پر ان کی وفات کی خبر رمضان کی چھٹیوں کے ایام میں بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء کی پوری فضا کو سوگوار کر گئی، اُس وقت احاطۂ دارالعلوم میں موجود حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی، مولانا نذر الحفیظ ندوی، مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی، مولانا نیاز احمد ندوی، دیگر اساتذہ، طلبہ اور کارکنان نے دعائے مغفرت کی، اپنے اپنے طور پر ایصال ثواب کا خاص اہتمام کیا، اور ان کے فرزند مولانا ابوبکر صدیق بھٹکلی ندوی سے فون پر تعزیت کی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا فضل وانعام ہے کہ ان کو موت بھی نہایت قابل رشک ملی، رمضان المبارک کی ۲۳ویں شب، جمعہ کا بابرکت دن، اور پوری رات شب قدر کی امید میں عبادت، ذکر وتلاوت میں گذار کر رب کریم کے حضور اپنی دینی، علمی، دعوتی اور اصلاحی خدمات کا صلہ لینے حاضر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے، آمین یارب العالمین۔

☆☆☆☆☆

کاروان رفتگاں

مولانا محمد غزالی بھٹکلی ندوی کا سانحۂ ارتحال

........................محمد جاوید اختر ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعطیل کلاں کے سبب 'تعمیر حیات' کے ماہِ جون کا مشترکہ شمارہ پریس جاچکا تھا، یہ اندوہناک اطلاع ملی کہ معروف عالم دین اور مخلص داعی ومبلغ، قابل فخر فرزند ورکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء لکھنؤ جناب مولانا محمد غزالی خطیبی بھٹکلی ندوی ۲۳ر رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ شب جمعہ گذار کر اذانِ فجر کے دوران مختصر علالت کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جاملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم بھٹکل کے نمایاں علماء اور داعیوں میں تھے، ان کی ولادت ۱۹۴۴ء کو ایک علمی ودینی خانوادہ میں ہوئی، والد محترم مولانا ابوبکر خطیبی بھٹکل کے قاضی تھے، میٹرک تک کی تعلیم انجمن ہائی اسکول بھٹکل میں حاصل کی، پھر اس وقت بھٹکل کے نوخیز دینی واسلامی ادارہ جامعہ اسلامیہ میں داخل ہوئے، اور جامعہ کے اولین استاد ومہتمم مولانا عبد الحمید ندوی بارہ بنکویؒ سے علمی وتربیتی استفادہ کیا، جامعہ کی ابتدائی تعلیم کے بعد اول مرحلہ میں جو تین طلبہ ندوہ کے درجہ عالیہ ثالثہ شریعہ میں داخل ہوئے، ان میں ایک مولانا مرحوم بھی تھے، یہاں سے ۱۹۶۷ء میں فراغت حاصل کی، مختصر مدت کے لیے جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں تدریسی خدمت انجام دی، کچھ عرصہ بسلسلۂ معاش مدراس کے مشہور 'مولانا لنگی کمپنی' میں ایک مؤثر عالم وداعی کارکن کی حیثیت سے رہے، لیکن طبیعت میں دعوت واصلاح کا پہلو غالب تھا، چنانچہ مرکز نظام الدین دہلی سے وابستہ ہوگئے، اور زندگی کا ایک ایک لمحہ اسی راہ کے لیے وقف کردیا، اندرون ملک کے علاوہ بیرون ممالک کے بھی دعوتی اسفار کیے، بالخصوص ملک حبشہ میں بڑا منظّم اور قابل قدر دعوتی واصلاحی کام انجام دیا۔

مولانا مرحوم نے زندگی بھر اپنے آپ کو دعوت وتبلیغ کے عظیم کام سے جوڑے رکھا، علمی متانت، دعوتی محنت، تواضع وکسر نفسی، للّٰہیت وفنائیت آپ کی نمایاں صفات ہیں، جو بھی آپ سے ملتا، پہلی بار میں آپ کے باوقار وپرنور چہرہ سے مانوس ہوہی جاتا، آپ کے متعلق اپنوں ہی نہیں، غیروں تک سے بھی نازیبا الفاظ نہیں سنے گئے، اپنے آپ کو مجلسوں میں چھوٹا بناکر پیش کرتے، آپ کی مجلسیں ہمیشہ غیبتوں سے پاک رہیں، بارہا ایسا محسوس کیا گیا کہ کسی کی زبان سے نامناسب الفاظ نکلتے ہی آپ بڑی حکمت سے گفتگو کا رخ ہی یکسر موڑ دیتے اور جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کی زبان سے علم ودعوت اور ایمان ویقین کے گہر پارے سامنے آتے۔

مرکز نظام الدین دہلی میں حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ کے معتمد رہے، حضرتؒ کے اکثر خطوط آپ ہی کے قلم سے ہیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے وسیع علمی وادبی ماحول سے بھرپور استفادہ کے نتیجہ میں اردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانوں میں لکھنے اور بولنے کی صلاحیت رب کریم نے ودیعت کی تھی، اور اس سے انہوں نے دعوت وتبلیغ کی محنت میں خوب فائدہ اٹھایا، دعوت وتبلیغ کے میدان میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سے قوی ربط وتعلق کی بناپر آپ نے مفکر اسلام علیہ الرحمہ سے غیر معمولی روحانی فائدہ اٹھایا، اور یہ تعلق حضرتؒ کے دم واپسیں تک قائم رہا، اسی کے ساتھ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق حقیؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوکر باطنی استفادہ کیا، اپنے اساتذہ سے نہایت محبت اوران کا حددرجہ اکرام کرنے والے تھے، جب تعلیمی سال کے آخر میں طلبہ کے مابین خطاب اور تشکیل کے لیے ندوہ تشریف لاتے تو مادر علمی اور اپنے اساتذہ سے مخلصانہ تعلق کے مناظر قریب سے دیکھنے کو ملتے۔

آپ کا ایک اہم بلکہ سب سے نمایاں وصف مال ومنصب سے کنارہ کشی تھی، اس مادیت زدہ ماحول میں جس تقویٰ وطہارت اور سیم وزر کی حرص وہوس سے دور رہ کر کھلی کتاب کی طرح صاف وشفاف زندگی گذاری، وہ اس راہ کے مسافروں کے لیے ایک مثال ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا پھل اس طرح دیا کہ آپ کے ساتوں فرزند حافظ، اور عالم وفاضل ہوئے، ایک فرزند مولانا ابوبکر صدیق ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں، اور دوسرے مولانا محمد عمر فاروق ندوی جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں، اور یہ سب اپنے والدین کے لیے زادِ آخرت ہیں۔

ندوہ میں تعلیمی عرصہ اس وقت گذارا جب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی نظامت کا ابتدائی زمانہ تھا، اسی موقع پر علامہ شبلی نعمانیؒ کے شاگرد رشید مولانا عبد الباری ندویؒ سے خصوصی استفادہ کیا، مفکر اسلام علیہ الرحمہ سے تعلق خاطر کے نتیجہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب مجددی بھوپالیؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے، اور ہر جگہ انہوں نے بڑی سعادت مندی سے اپنے دامن مراد کو انواع واقسام کے علمی، دینی ودعوتی لعل وگہر سے بھرلیا۔

.................بقیہ صفحہ ۳۱ر پر

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: نکاح کا طریقہ کیا ہے؟ زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ کیا طریقۂ نکاح میں تبدیلی ہوسکتی ہے؟ وہ کون سی چیزیں ہیں اگر زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ وہ نکاح میں شامل کی جائیں تو جائز ہوں؟

جواب: نکاح کا سنت طریقہ وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہراء کے نکاح میں اختیار فرمایا تھا، اس کا خلاصہ علامہ شبلیؒ نے سیرۃ النبیؐ میں حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

”حضرت علیؓ نے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کو کچھ ہے؟ بولے: ایک گھوڑا اور زرہ کے سوا کچھ نہیں، آپؐ نے فرمایا: گھوڑا تو لڑائی کے لیے ضروری ہے، زرہ کو فروخت کرڈالو، حضرت عثمانؓ نے ۴۸۰؍ درہم پر خریدی اور حضرت علیؓ نے قیمت لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر رکھ دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں، عقد ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر دیا، اصابہ میں لکھا ہے کہ ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشک بھی دی، نکاح کے بعد رسم عروسی کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایک مکان لے لیں، چنانچہ حارث بن نعمان کا مکان ملا، اور حضرت علی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس میں قیام کیا۔

[سیرت النبیؐ: ج۲/ص۴۲۸]

نکاح میں ایسی چیزیں شامل کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین سے ثابت نہ ہوں، درست نہیں ہیں، موجودہ دور کے رسم ورواج عموماً درست نہیں ہیں۔

سوال: کیا شادی میں والدین کی رضامندی ضروری ہے؟ اگر لڑکا اور لڑکی اپنی پسند سے نکاح کرلیں اور والدین راضی نہ ہوں تو کیا شرع اسلامی میں نکاح ہوجائے گا؟

جواب: اولاد کا نکاح کراتے وقت والدین کو حکم ہے کہ اولاد کے جذبات اور خواہش کو ترجیح دیں، اور اولاد کے حق میں بہتر یہ ہے کہ والدین کی خواہش اور رضامندی کی رعایت کریں اور اپنی خواہش اور رائے پر والدین کی صوابدید کو ترجیح دیں کیونکہ ان کا تجربہ زیادہ اور ان کی شفقت کامل ہے جس میں خیر وفلاح کی امید زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود اگر بالغ اولاد والدین کی رضامندی کے بغیر ایسا رشتہ کرلیں جس میں والدین کی عزت وناموس پر اثر نہ پڑے تو شرع اسلامی میں یہ نکاح درست ہوجائے گا۔

[البحر الرائق: ج۲/ص۱۲۱]

سوال: آجکل اگر کوئی عورت کسی نیک مومن مرد سے نکاح کی خواہش رکھے تو کیا یہ کوئی بری چیز تو نہیں ہے اور اپنی خواہش ظاہر کرے تو والدین سے کیسے ظاہر کرے بالخصوص اس صورت میں جبکہ نیک مرد سے نکاح کی خواہش ظاہر کرنے میں والدین یا بھائی اپنی عزت ووقار کا مسئلہ بنالیں، ایسی صورتحال میں عورت کیا کرے؟

جواب: نیک مومن مرد سے نکاح کی خواہش ظاہر کرنا برا نہیں ہے اور نہ کوئی عیب ہے، حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیکی دیکھ کر نکاح کی خواہش ظاہر کی تھی، جب کہ وہ قریش کے اعلیٰ خاندان کی اعلیٰ درجہ کی خاتون تھیں، ہاں! عورت کو چاہیے کہ نیکی پہچاننے میں دھوکہ سے بچنے کے لیے کسی ذریعہ مثلاً سہیلیوں کے ذریعہ اپنی خواہش اپنے والدین یا والدہ سے واضح کرے اور والدین اپنے تجربات اور معلومات کی روشنی میں فیصلہ کریں اور اپنی عزت کا مسئلہ بنانے کے بجائے اپنی بچی کے مستقبل اور نقطہ نظر کی رعایت کریں، تاہم لڑکی کے لیے اپنے والدین کی رضامندی ہی میں خیر اور مستقبل میں بھلائی ہے، حدیث نبوی میں والدین کی اطاعت ہی میں خیر کی رہنما کی گئی ہے۔

[مشکوٰۃ: ص/۴۲۱، باب البر والصلۃ]

سوال: کیا ٹیلی فون یا انٹرنیٹ یا ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعہ نکاح ہوسکتا ہے؟

جواب: اسلامی نکاح کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایجاب وقبول مجلس عقد میں گواہوں کے سامنے ہو، ٹیلیفون یا انٹرنیٹ یا ویڈیو کانفرنسنگ سے یہ ممکن نہیں البتہ جواز کی یہ شکل اختیار کی جاسکتی ہے کہ لڑکا ٹیلیفون یا کسی ذریعہ سے کسی عاقل بالغ مسلمان کو اپنی طرف سے نکاح کا وکیل بنادے اور وہ وکیل مجلس میں اس کی طرف سے ایجاب وقبول کرے، اس طرح نکاح ہوجائے گا، خود لڑکے سے ٹیلیفون پر ایجاب وقبول کرانے سے نکاح نہیں ہوگا۔

[البحر الرائق: ج۳/ص۸۳]

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوة العلمـــــاء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

اہلِ خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیے دار العلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دار العلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”یہ سونے کی چڑیاں سب اُڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔“

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل وعریض ملک کے کسی علاقہ کے ہوں، ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی ونظامت میں اگر احباب ومخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچے گا، وماذلك على الله بعزيز.

(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں: **NADWATUL ULAMA**

(عطیات) **A/C NO. 10863759711**

(زکوٰۃ) **A/C NO. 10863759766** **(State Bank of India Main Branch, Lucknow.)**

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,
TAGORE MARG, LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.